قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا بہتّرواں سال

ماہنامہ

# طلوعِ اسلام

لاہور

جنوری 2015ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰكَ
اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ○

(الانبیاء:107)

وہ ضابطہ قوانین جس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے وراثتِ ارض حاصل ہوتی ہے۔ اب اے رسول! دنیا کو تمہاری وساطت سے دیا جا رہا ہے۔ تم اقوامِ عالم سے کہہ دو کہ ان کی صحیح نشوونما جس سے انسانی صلاحیتیں بیدار ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں، اسی ضابطہ کی اطاعت سے ہو سکتی ہے۔ جو قوم اس حقیقت سے انکار کرے گی اس مرحمتِ ایزدی سے محروم رہ جائے گی۔ یوں تمہاری بعثت تمام اقوام عالم کے لیے حقیقی رحمت کا موجب بن جائے گی۔

بحوالہ: مفہوم القرآن صفحہ نمبر 748
از: علامہ پرویزؒ

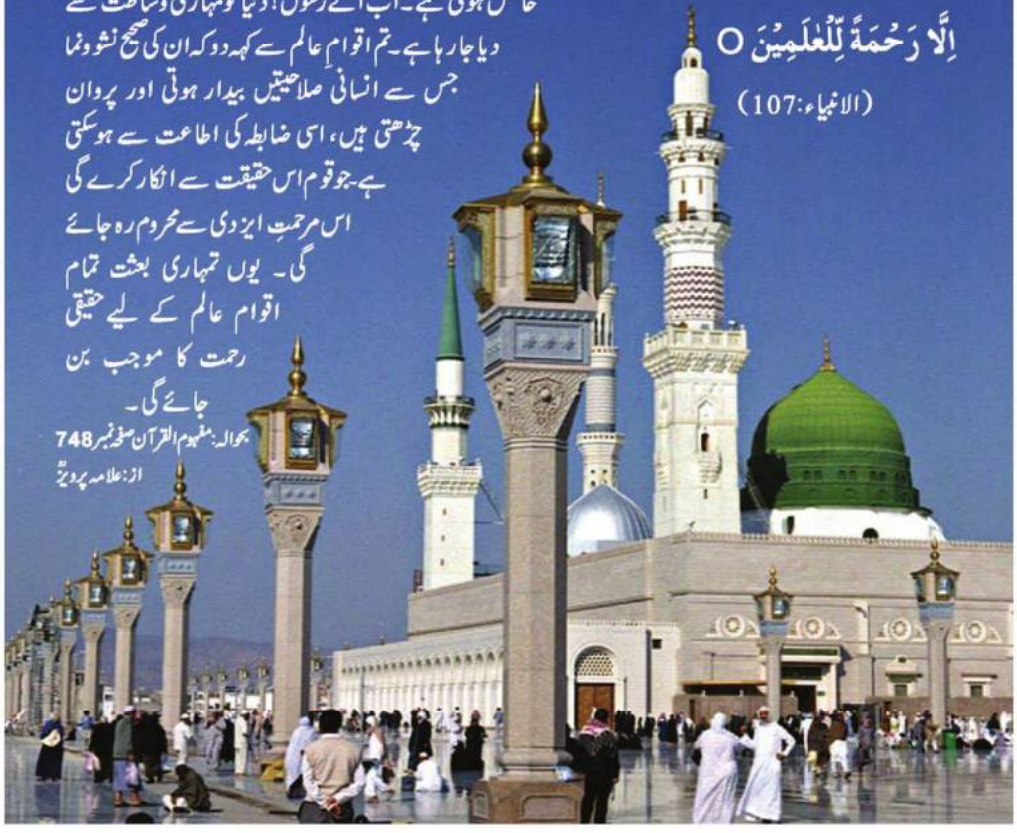

جلد 68 شمارہ نمبر 01 جنوری 2015ء

# ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

## اس شمارے میں


| عنوان | مصنف | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| لمعات: شاعرِ ملت ابوالاثر حفیظ جالندھری کی ایک نظم | ادارہ | 4 |
| پرویز صاحب کا نظریہ حدیث وسُنّت | ملک منظور حسین لیل | 9 |
| متحرک نفسیات | راجہ عبدالعزیز | 19 |
| علامہ اقبالؒ سے سعادت مندانہ ملاقاتیں | حافظ غلام مرشد مرحوم | 28 |
| روئیداد طلوع اسلام سالانہ کنونشن | ادارہ | 32 |
| خطبہ استقبالیہ | محمد اکرم راٹھور | 42 |
| اپنا حلقۂ اثر بڑھایئے | عاطف طفیل | 44 |
| سالانہ کنونشن منعقدہ 23 نومبر 2014ء | ڈاکٹر انعام الحق | 49 |

**ENGLISH SECTION**

Surah *Al-Naba* (النباء) – Durus-al-Qur'an By G.A.Parwez
Parah 30: Chapter 2 Translated by: Dr. Mansoor Alam 55



دفتر کا پتہ 25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان
فون: 042-35714546
E-mail: idara@toluislam.com



**ناشر و چیئرمین**
محمد اکرم راٹھور

**مجلسِ ادارت**
ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

**مدیر انتظامی**
محمد سلیم اختر

**قانونی مشیر**
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

**زرِ تعاون**
پاکستان میں 40 روپے فی پرچہ
سالانہ -/450 روپے
بیرون ملک 2500 روپے سالانہ

**بینک اکاؤنٹ نمبر**
3082-7 نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ
برانچ کوڈ (0465) ۔ لاہور



ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

NAVEED GRAPHIC 5.5x8

# طلوعِ اسلام

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی
میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک!
ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی
گمان آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زورِ حیدرؓ فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ
ہوئے احرارِ ملت جادہ پیما کس تجمل سے
تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی
ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی
جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ رُوح الامیں پیدا

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ

لمعات

# شاعرِ ملت جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری مرحوم کی ایک نظم

پانی پت کی سرزمین ہمیشہ مردم خیز رہی ہے۔ یہاں ہر زمانے میں اہلِ علم و عرفاں اور اہلِ سیف ہستیاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ یہاں شرف الدین بوعلی شاہ قلندر کا مزار ہے۔ شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کا وطن بھی پانی پت تھا۔ مولانا حالی بیک وقت صاحبِ فکر شاعر، ادیب اور ناقد تھے۔ حالی نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' لکھ کر اُردو زبان میں تنقید کا باب وا کیا۔ انہوں نے یادگار غالب تحریر کر کے، غالب کو غالب بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ جب سرسید احمد خاں جیسے بلند پایہ مفکر نے ہندوستان کے مسلمانوں کو بیدار کر کے، ان میں زندگی کی ایک لہر دوڑائی، تو حالی نے اِس تحریک کو مزید تقویت بخشی۔ مسلمانوں کو نیند سے بیدار کرنے کے لئے حالی نے ''مدوجزر اسلام'' کے نام سے اپنی لازوال مسدس تحریر کی جو 1879ء میں طبع ہوئی تھی۔ مولانا حالی کی پیدائش 1837 عیسوی میں پانی پت کے محلّہ انصاریاں میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام ایزد بخش تھا۔ حالی کے جدِ اعلیٰ غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہرات سے ہندوستان آئے تھے۔ شروع میں یہ خاندان متموّل اور بااثر تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوا، اور حالی کے والد خواجہ ایزد بخش تنگدستی کی زندگی گذار رہے تھے کہ حالی ان کے ہاں تولد ہوئے۔ جب وہ صرف نو سال کے تھے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور ان کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے ان کی پرورش کی۔ پانی پت کی معاشرت کے مطابق، پہلے انہوں نے قرآنِ کریم حفظ کیا۔ پھر اس کے بعد پانی پت کے ہی ایک معروف استاد میر جعفر علی سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ صرف 17 سال کی عمر میں ان کی شادی کر دی گئی۔ لیکن اُنہیں تعلیم حاصل کرنے کا بے پناہ شوق تھا، اسی وجہ سے وہ اپنے گھر سے روپوش ہو کر دہلی چلے گئے جہاں اُنہیں بہت مشکلات کا سامنا ہوا۔ دہلی میں انہوں نے مشہور عالم دین مولوی نوازش علی مرحوم سے فلسفہ، منطق اور ادب کی انتہائی کتب پڑھیں۔ 1856ء میں انہیں ضلع حصار میں، ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں کلرک کی ملازمت مل گئی۔ اگلے ہی سال 1857ء میں غدر کا واقعہ فاجعہ برپا ہو گیا اور وہ مجبوراً اپنے وطن پانی پت چلے گئے۔ 5 سال تک بیکار رہے اور بہت پریشان حال رہے۔ لیکن 1863ء میں اُنہیں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کر دیا۔ وہاں آٹھ سال تک اس کام پر مامور رہے اور جہانگیر آباد میں نواب شیفتہ سے استفادہ کرتے رہے۔ اُن

سے اپنے کلام میں اصلاح لیتے رہے اس کے بعد وہ غالب کے شاگرد ہوئے اور ایک شعر میں دونوں صاحبان کو اپنا استاد تسلیم کیا ہے۔

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفید ہوں
غالب کا معتقد ہوں، مقلد ہوں میر کا

کچھ عرصہ بعد حالی کا تقرر دہلی کے ایک کالج میں بطور استاد ہوا اور یہاں ہی ان کی سرسید احمد خاں سے ملاقات ہوئی جس کی وجہ سے ان کی زندگی کا رُخ ہی بدل گیا۔ 1888ء میں اُنہیں حیدر آباد دکن سے 75 روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر ہوا۔ انہوں نے آج سے Exactly سو سال پیشتر 31 دسمبر 1914ء کو انتقال فرمایا۔ ''دی نیوز'' مورخہ 24 جنوری 2014ء کے مطابق Happy Home School' کراچی نے ''ایک شام حالی کے نام'' سے ایک تقریب منعقد کی جس میں اس کالج کی پرنسپل صاحبہ غزالہ نظامی نے حالی کی کوششوں کو بہت سراہا۔

حالی کی پیدائش 1837ء کی تھی۔ سو سال بعد 1937ء میں حالی مسلم ہائی سکول پانی پت میں ان کی سو سالہ Centenary تقریب منعقد کی گئی تھی۔ اس تقریب کا اہتمام ان کے نواسوں، خواجہ غلام السیدین اور خواجہ احمد عباس نے کیا تھا۔ یہ دونوں حضرات اپنے دور کی مشہور شخصیات میں شمار ہوتے تھے۔ خواجہ غلام السیدین علی گڑھ یونیورسٹی میں شعبہ تعلیم کے کالج کے پرنسپل تھے جہاں سے طلبا B.T کی ڈگری حاصل کرتے تھے اور خواجہ احمد عباس مشہور جرنلسٹ تھے اور Bombay Chronical کے ایڈیٹر تھے۔ خواجہ غلام السیدین بھارت میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ Education Secretery رہے تھے۔ اس تقریب کی صدارت نواب بھوپال نے کی تھی اور علامہ اقبال نے بھی اس میں شرکت کی تھی۔

علامہ اقبال کو غوث علی شاہ صاحب تذکرۂ غوثیہ والے سے بھی ارادت تھی جو پانی پت کی ایک روحانی شخصیت تھے۔ ان کی تذکرۂ غوثیہ مشہور کتاب ہے۔ علامہ اقبال کے گردے میں پتھری تھی جس کی شکایت انہوں نے غوث علی شاہ کو بھی سنائی۔ غوث علی شاہ نے اُنہیں ایک دوا دی، جس کے اثر سے ان کی پتھری دوران سفر ہی لدھیانہ اور جالندھر کے درمیان نکل گئی۔

اس سو سالہ جشن کی تقریب میں مشہور شاعرِ ملت جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری نے ایک نظم پانی پت اور حالی کی تعریف میں سنائی تھی۔ جس کی بہت تعریف ہوئی۔ یہ نظم اغلباً غیر مطبوعہ ہے اس وجہ سے بالکل نایاب ہے۔ خواجہ ازہر عباس، جن کے مضامین آپ اس رسالہ میں پڑھتے رہتے ہیں وہ اسی خاندان سے وابستہ ہیں۔ ادارہ طلوع اسلام نے یہ نظم ان سے حاصل کی ہے۔ یہ نظم غالباً غیر مطبوعہ ہے اور نایاب ہے۔ اس لئے اس نظم کو رسالہ طلوع اسلام میں طبع کیا جا رہا ہے تا کہ جناب حفیظ جالندھری کی یہ کوشش ضائع نہ ہو۔ اور حالی کو بھی خراج عقیدت پیش ہو جائے۔ ادارہ طلوع اسلام خواجہ ازہر صاحب کا شکر گذار ہے کہ انہوں نے ادارہ کو یہ نظم عنایت کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## اشعار در مدح شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی

نشانِ زندگی پاتا ہوں پانی پت کی راہوں میں
یہ منزل منزلِ مقصود ہے میری نگاہوں میں

یہاں نقشِ قدم موجود ہیں ان کاروانوں کے
زمیں پر جن کے آگے سر جھکے تھے آسمانوں کے

اذانوں کی صدائیں بس چکی ہیں ان ہواؤں میں
فضائیں محو ہیں اب تک انہیں دلکش صداؤں میں

یمِ کثرت کے آگے شانِ قلت اس نے دیکھی ہے
جہاں حق ہو وہاں باطل کی ذلت اس نے دیکھی ہے

یہاں آتے ہی مردانِ مجاہد یاد آتے ہیں
جو تلواریں اٹھاتے تھے وہ زاہد یاد آتے ہیں

یہیں اُمڈا تھا دریا مرہٹوں کی تند فوجوں کا
تلاطم تھا یہیں اس جوشِ انسانی کی موجوں کا

اسی باعث ملا اس سرزمیں کو رُتبۂ عالی
کہ اِس بستی کی خاکِ پاک سے پیدا ہوا حالی

وہ حالی ہاں وہی سرسیدِ مرحوم کا بازو
وہ امت کی سپر وہ ملتِ مظلوم کا بازو

وہ حالی جس نے ابدالی سے بڑھ کر معرکہ مارا
تکلم سے مسخر کر لیا ہندوستاں سارا

وہ شاعر جس نے اصنافِ سخن میں شان پیدا کی
بنائے خود ہی پیکر اور خود ہی جان پیدا کی

وہ حالی جو علمبردار تھا دینِ پیمبر کا
وہ حالی جو سپہ سالار تھا سید کے لشکر کا

وہ شاعر جس نے خونِ سرد کو مسلم کے گرما کر
کیا مردوں کو زندہ قم باذن اللہ فرما کر

جگا کر خاکیوں کو گنبدِ افلاک کے نیچے
وہ حالی آج محوِ خاک ہے اس خاک کے نیچے

نہ بابر تیرے دامن میں نہ اکبر ہے نہ ابدالی
تیری بزمِ کہن کی زیب و زینت ہے فقط حالی

نہ بھول اے شاہِ اقلیمِ سخن کے مولد و مدفن
اِسی تربت سے ہے اب روضۂ رضواں ترا گلشن

دوامی زندگی بخشے گا تجھ کو نام حالی کا
سنا سارے زمانے کو سنا' پیغام حالی کا

دعا یہ ہے کہ جب تک شوکتِ اسلام ہے باقی
خدا کا اور محمد مصطفیٰؐ کا نام ہے باقی

مساجد سے اذانوں کی صدا اُٹھتی رہے جب تک
مدینہ کی طرف بانگ درا اُٹھتی رہے جب تک

سپاس و شکر سے جب تک نہ ہو اپنی زباں عاری
الٰہی چشمۂ الطافِ حالی بھی رہے جاری

☆.....☆.....☆

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

قسط ہشتم

# پرویز صاحب کا نظریہء حدیث وسُنّت

(۵)۔ جب صحیح اسلامی نظام (یا خلافت علیٰ منہاجِ رسالت) باقی نہ رہے تو پھر دین عملاً موجود نہیں رہتا، مذہب رہ جاتا ہے۔ جس میں سیاسی امور کو حکومت اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور شخصی امور میں لوگوں کو اجازت دے دیتی ہے کہ وہ جس طرح جی چاہے عمل کریں۔ سابقہ امتوں میں بھی یہ صورت پیدا ہو جاتی تھی اور اب ہمارے ہاں صدیوں سے یہی شعوبیت کارفرما ہے۔ شخصی امور میں لوگ اپنی صوابدید کے مطابق، اس طریق پر چلنے کی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں جو حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں رائج تھا۔ اس میں بھی جس قدر اختلاف پائے جاتے ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔ اس طریقِ کار میں اختلافات ناگزیر ہیں۔ یہی وہ مجبوری تھی جس کی وجہ سے یہ روایت وضع کر لی گئی کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔'' ''مرکزِ ملّت'' کی موجودگی میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (واضح رہے کہ اب خود اہل حدیث حضرات نے بھی اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ یہ حدیث وضعی ہے)۔

(۶)۔ ایسا نظام، جس میں اُمت کو احکامِ خداوندی کے مطابق چلایا جائے، پھر سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو وہ ''مرکزِ ملّت'' کہا جائے گا جس کی اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے قائم مقام ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ مرکز سب سے پہلے خود احکامِ خداوندی کی اطاعت کرے گا۔

جو حکومت کسی اصول پر قائم ہو، جب تک وہ مسلسل آگے چلتی رہے، اس میں اس کے سابقہ ادوار کے فیصلے علیٰ حالہٖ نافذ العمل رہتے ہیں۔ لیکن جن امور میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو، ان میں اس دور کی حکومت ضروری تبدیلی کر لیتی ہے۔ جب تک اسلامی حکومت (خلافت علیٰ منہاجِ رسالت) قائم رہی، اس میں احکام کی یہی پوزیشن رہی۔ قرآن کریم نے جب امورِ مملکت کو باہمی مشورہ سے طے کرنے کا حکم دیا تھا تو اس کا یہی منشاء تھا۔ اس کی روشنی میں جب ہم اس حدیث کو دیکھتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدینؓ کی سنت واجب ہے'' تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ یہ ''خلفائے راشدین'' کسی خاص زمانہ تک محدود نہ تھے۔ اگر خلافتِ راشدہ، مسلسل آگے چلتی، تو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سے لے کر آج تک کے خلفاء، خلفائے راشدین ہوتے۔ اگر وہ سلسلہ کسی وجہ سے منقطع ہو گیا ہے تو اسے پھر سے جاری کیا جا سکتا ہے۔ جب وہی سلسلہ پھر قائم

ہو جائے گا تو ان نئے خلفائے راشدین کی سنت کی اطاعت واجب ہو جائے گی۔ اس سے مراد ہوں گے وہ فیصلے جو یہ نظام قرآن کریم کے احکام کو نافذ کرنے کے سلسلہ میں باہمی مشاورت سے کرے گا۔ یہ ہے اس باب میں طلوعِ اسلام کا مسلک، جسے ہم اپنی بصیرت کے مطابق قرآن کریم سے سمجھ سکے ہیں۔''

**اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کا قرآنی مفہوم:۔** مختصر الفاظ میں یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس سے مفہوم کیا ہے۔ اب ہم اس اجمال کی تفصیل کی طرف آتے ہیں۔ سب سے پہلے اس بنیادی حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول'' سے دو الگ الگ اطاعتیں مقصود نہیں۔ (یعنی اللہ کی اطاعت الگ۔ اور رسول کی اطاعت الگ)۔ دین میں اطاعت صرف خدا کی مطلوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی خدا کی اطاعت کرتے تھے اور خدا ہی کی اطاعت کراتے تھے۔ حضور ﷺ کا عظیم ترین مقام و منصب، عبدہٗ (خدا کا محکوم و اطاعت گزار) ہے۔ اس کا اعلان ہم ساری دنیا کے سامنے یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ:۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ اسلام، مذہب نہیں جس میں ہر شخص انفرادی طور پر، خدا کی پرستش، بندگی، پوجا پاٹ (worship) کرے تو اطاعت کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ یہ دین ہے۔ یعنی نظامِ حیات، جس میں خدا کی اطاعت صرف اپنی آزاد مملکت میں ہی ہو سکتی ہے۔ یہ مملکت (یا اس کی حکومت) دنیا میں منفرد تھی۔ یعنی اس میں محکومیت کسی انسان کی نہیں ہوتی تھی، صرف خدا کی ہوتی تھی۔ اور خدا نے اس مقصد کے لئے اپنی کتاب نازل کی تھی۔ لہٰذا، اس میں اطاعت صرف کتاب اللہ کی تھی۔۔۔ لیکن انسانی دنیا میں کتاب اللہ کی حکومت بھی نظام کے تحت ممکن تھی۔ یہ نظام نبی اکرم ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ جس کے اوّلیں سربراہ بھی حضور ﷺ خود تھے۔۔۔ اس اندازِ حکومت اور اطاعت کے لئے، قرآن کریم نے ایک منفرد اصطلاح مقرر کی۔ یعنی ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول''۔ اس سے مراد یہ تھی کہ خدا کی اطاعت، لیکن انفرادی طور پر نہیں، اس نظام کی رو سے جسے رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ اور رسول ﷺ کی بھی اپنی اطاعت نہیں، بلکہ رسول ﷺ کی وساطت سے خدا کی اطاعت۔ ایک آئینی نظامِ حکومت میں، حکومت کے ادنیٰ سے ادنیٰ عامل کے حکم کی اطاعت، اُس کی اطاعت نہیں ہوتی، اُس حاکمِ اعلیٰ کی اطاعت ہوتی ہے جس کا وہ کارپرداز ہوتا ہے۔ جب چوراہے پر کھڑا سپاہی آپ سے کہتا ہے کہ بائیں طرف چلئے، تو وہ آپ سے اپنا حکم نہیں منواتا، حاکمِ اعلیٰ کا حکم منواتا ہے۔ قرآنی حکومت میں بھی صورت ایسی ہی ہوتی ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (4:80)۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ تم جو رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت کرتے ہو تو یہ رسول ﷺ کی اطاعت نہیں، یہ خدا کی اطاعت ہوتی ہے کیونکہ رسول ﷺ احکامِ خداوندی کی اطاعت کراتا ہے، اپنی نہیں۔ اُس کا منصبی فریضہ ہی خدا کی اطاعت کرانا ہے۔ اطاعت کے اسی انداز کو وہ ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول'' کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں، ان میں سے چند ایک یہاں پیش کئے جاتے ہیں:۔

(۱)۔ سورہ المائدہ کی مشہور آیت ہے:۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (5:33)۔

اس آیت کا عام ترجمہ یہ ہے۔ ''بلاشبہ ان لوگوں کی، جو ''اللہ اور اس کے رسول'' کے ساتھ جنگ کرتے ہیں، اور ملک میں فساد پھیلانے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں، یہ سزا ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں۔ یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ ان کے لئے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔'' اس میں ''اللہ اور رسول کے خلاف جنگ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ متقدمین سے لے کر متاخرین تک سب کے نزدیک اس سے مراد اسلامی حکومت کے خلاف جنگ کرنے کے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام محی السنہ بغوی نے معالم التنزیل میں، اور نواب صدیق حسن خان (مرحوم) نے فتح البیان میں لکھا ہے:۔ حضرت ابن عباس، سعید بن میبّب، مجاہد، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی، ضحاک، اور ابوثور نے کہا ہے کہ جس نے اسلامی محروسہ (ریاست) میں ہتھیار اٹھایا اور راستوں کو پُر خطر کر دیا، پھر وہ گرفت میں آیا اور پکڑا گیا۔ اس کے بارے میں مسلمانوں کے امام (سربراہِ مملکت) کو اختیار ہے (کہ جو چاہے سزا دے)۔ امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔ اگر باغی یا ڈاکو نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے، تو امام کو اختیار ہے کہ تینوں سزاؤں میں سے جو سزا اس کو چاہے دے۔ ہمارے زمانے میں، سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) اپنی تفسیر، تفہیم القرآن میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ (فساد فی الارض میں) زمین سے مراد وہ ملک یا علاقہ ہے جس میں امن وانتظام قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی مملکت نے لے رکھی ہو۔ اور ''خدا اور رسول'' سے لڑنے کا مطلب اس نظامِ صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلامی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔۔۔ ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا۔۔۔ خدا اور رسول کے خلاف جنگ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تعزیراتِ ہند میں ہر شخص کو جو ہندوستان کی برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے (یہ تقسیم ہند سے پہلے کی تحریر نظر آتی ہے) ''بادشاہ کے خلاف لڑائی'' (waging war against the king) کا مجرم قرار دیا گیا ہے۔ چاہے اس کی کارروائی ملک کے کسی، اور دور دراز گوشے میں ایک معمولی سپاہی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور بادشاہ کی دسترس سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو۔ (تفہیم القرآن۔ جلد اول۔ صفحہ نمبر ۴۶۵۔ ایڈیشن ۱۹۵۱ء)۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ اس آیت میں ''خدا اور رسول'' سے مراد اسلامی نظامِ حکومت ہے۔ اس مقام پر ایک اور نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ ہم نے اوپر کہا ہے کہ آئینی حکومت میں صورت یہ ہوتی ہے کہ ادنےٰ سے ادنےٰ عاملِ حکومت، جب کوئی حکم دیتا ہے تو اس حکم کی اطاعت، اس عامل کی اطاعت نہیں ہوتی، اس حکومت کی اطاعت ہوتی ہے جس کا وہ نمائندہ ہے۔ یہ وجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ دوسری طرف حکومت کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت کرانے میں، افسر مجاز۔۔۔ جو کچھ کرتا ہے، حکومت اس کا اعلان کرتی ہے

کہ وہ اس نے نہیں کیا، خود حکومت نے کیا ہے۔ حکومت اس کی پوری پوری ذمہ داری لیتی ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ (مثلاً) جنگِ بدر میں، نبی اکرم ﷺ اور جماعتِ مجاہدین، مخالفین کو تہہِ تیغ کرتے ہیں اور خدا کا ارشاد ہوتا ہے کہ: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ..... (8:17)۔ ''تم نے انہیں قتل نہیں کیا تھا، ہم نے قتل کیا تھا۔'' اور نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ..... (8:17)۔ ''میدانِ جنگ میں تم تیر نہیں چلا رہے تھے، ہم چلا رہے تھے۔'' ان کے ہر اقدام کی ذمہ داری خدا خود اپنے اوپر لیتا تھا۔ یا (مثلاً) صلحِ حدیبیہ کے موقعہ پر ایک اور نازک وقت آ گیا کہ جماعتِ مومنین نے، خدا کے ہاتھ اپنی جان و مال بیچ دینے کا جو معاہدہ کیا تھا (۹/۱۱۱) اس کی تجدید کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ قاعدے کے مطابق، صحابہؓ آتے تھے۔ تجدیدِ معاہدہ (بیعت) کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاتے تھے اور حضور ﷺ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ کر اس بیعت کی توثیق فرما دیتے تھے۔ اس موقعہ پر ارشادِ خداوندی ہوا کہ: اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ..... (48:10)۔ ''اے رسول! تمہارے جو رفقاء تجدیدِ معاہدہ کے لئے جو تمہاری بیعت کرتے تھے، وہ تمہاری بیعت نہیں، درحقیقت ہماری بیعت تھی۔ ان کے ہاتھ کے اوپر تمہارا ہاتھ نہیں تھا، اللہ کا ہاتھ تھا۔'' آئینی حکومت میں ہوتا ہی یہی ہے۔ حکومت کے ساتھ جتنے معاہدات ہوتے ہیں، افسرانِ مجاز ان پر دستخط کرتے ہیں۔ اور حکومت ان کی ذمہ داری لیتی ہے کہ وہ معاہدہ خود حکومت کے ساتھ ہوا ہے۔: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ..... (4:80) کا مفہوم یہی ہے۔ حتیٰ کہ وہ حکومت اس کا بھی اعلان کرتی ہے کہ اس معاہدہ کی پابندی موجودہ حکومت پر ہی لازم نہیں، اس حکومت کے بعد بھی جو حکومت آئینی طور پر قائم ہوگی (اس حکومت کی جانشین ہوگی) اس پر بھی اس کی پابندی لازمی ہوگی۔۔۔ یہ تھا مفہوم حضور ﷺ کے اس ارشاد کا کہ تم پر میرے طریق کی پیروی اور میرے خلفاء (جانشینوں) کے طریق کی پیروی ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داریاں انسانوں کے سلسلہ میں اپنے اوپر لے رکھی ہیں، انہیں وہ اس نظام کے ذریعے پوری کراتا ہے۔ براہِ راست خود آ کر پورا نہیں کرتا۔ (اس موضوع پر میں اس سے پہلے بڑی تفصیل سے لکھ چکا ہوں)۔۔۔ اب پھر اصل موضوع کی طرف آیئے۔ ہم کہہ یہ رہے تھے کہ ''اللہ و رسول کے خلاف جنگ'' سے مراد نظامِ حکومتِ خداوندی کے خلاف جنگ تھی۔ اس سلسلہ میں سورہء المائدہ کی آیت (۵/۳۳) ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ دیگر حوالہ جات درج ذیل ہیں:۔

(۲)۔ ''خدا اور رسول کے خلاف جنگ'' کے متعلق، مسجدِ ضرار کے سلسلہ میں ہے کہ وہ مسجد پناہ گاہ تھی ان لوگوں کے لئے: لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ..... (9:107) جنہوں نے ''خدا اور رسول'' کے خلاف جنگ کی تھی۔ (نیز ۔۹/۶۳)۔ اسی طرح سورہء بقرہ میں ہے کہ اگر تم لوگ بقایا ربوٰنہ چھوڑو گے تو: فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ..... (2:279) تو اسے ''اللہ اور رسول'' کی طرف سے اعلانِ

جنگ سمجھو۔

(۳)۔سورہء انفال کی پہلی آیت ہے: قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ..... (8:1) انفال ''اللہ اور رسول کے لئے ہیں'' (انفال کے معنی عام طور پر مالِ غنیمت کئے جاتے ہیں)۔ یہاں کہا ہے کہ انفال، اللہ اور رسول کے لئے ہیں۔ امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ انفال کے معانی کے متعلق ان تمام اقوال میں سے قرینِ صواب ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ اضافے ہیں جو امامِ وقت، بعض یا کل فوج کے لئے کرتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی ''اللہ و رسول'' سے مراد امامِ وقت (یعنی اُس وقت کی حکومت کا سربراہ) ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) اس آیت کے تحت اپنے تشریحی نوٹ میں لکھتے ہیں کہ:۔ مالِ غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ یعنی یہ بات نہیں ہونی چاہیئے کہ جو جس کے ہاتھ پڑ گیا وہ اسی کا ہو گیا۔ بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کرنا چاہیئے، وہ اسے جماعت میں تقسیم کرے گا۔ (ترجمان القرآن۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۵۳)۔ اسی طرح مالِ غنیمت کے خمس کے متعلق ہے کہ وہ ''اللہ اور رسول''۔۔۔ کے لئے ہے۔

(۴)۔ سورہء حشر میں ان یہودیوں کے متعلق جنہوں نے اسلامی حکومت کے خلاف سرکشی اختیار کی تھی، فرمایا کہ: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ..... (59:4) ان کے خلاف یہ قدم اٹھانا پڑا کہ انہوں نے ''اللہ اور رسول'' کے خلاف سرکشی کی تھی۔ سورہء احزاب میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ..... (33:57)۔ ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں۔۔۔'' اگر یہاں اللہ سے مراد ''اللہ تعالیٰ'' لئے جائیں تو بات بن ہی نہیں سکتی۔۔ (اس لئے کہ خدا کو) اذیت کون پہنچا سکتا ہے۔ اس سے مراد ''اسلامی نظام کے لئے اذیت اور پریشانی کا موجب بننا'' ہے۔

(۵)۔ اب آگے بڑھیئے۔ فتحِ مکہ کے بعد اسلامی مملکت نے فیصلہ کیا کہ مشرکین کو کعبہ میں آنے سے روک دیا جائے۔ اس کے لئے (۹ھ) حجِ اکبر کے اجتماع میں اعلان کیا گیا جس کے الفاظ یہ تھے: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (9:1)۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ..... (9:3)۔ ''جن مشرکین کے ساتھ تم نے صلح کا معاہدہ کیا تھا (لیکن انہوں نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی) ان کے لئے، اس حجِ اکبر کے اجتماع میں، اعلان کر دو کہ خدا اور رسول نے اس معاہدہ کو کالعدم قرار دے دیا ہے اور اس کے بعد وہ اس باب میں بری الذمہ ہیں۔'' ظاہر ہے کہ معاہدات کئے بھی حکومت کی طرف سے جاتے ہیں اور انہیں کالعدم بھی حکومت ہی کی طرف سے قرار دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ''اللہ اور رسول'' کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

(۶)۔ قرآن کریم میں ایسی آیات بھی آئی ہیں جن میں ''اللہ اور رسول'' کے الفاظ آتے ہیں لیکن ان کے لئے صیغہ واحد کا استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ عربی زبان کے قاعدے کی رو سے، ان کے لئے تثنیہ کا صیغہ آنا چاہیئے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ ''اللہ اور رسول'' سے دو

الگ الگ، اطاعتیں مراد نہیں، بلکہ ایک ہی مراد ہے۔یعنی نظامِ حکومت کی اطاعت۔ (مثلاً):۔(ا)۔سورہء انفال میں ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ (8:20)۔''اے جماعتِ مومنین! تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے (عنہُ۔۔واحد کا صیغہ ہے) روگردانی نہ کرو۔درآنحالیکہ تم اس حکم کو سن رہے ہو۔'' (اس کی تشریح ذرا آگے چل کر کی جائے گی)۔(ب)۔اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے:۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (8:24)۔''اے جماعتِ مومنین! تم ''اللہ اور رسول'' کی دعوت پر لبیک کہو۔جبکہ وہ (صیغہء واحد) تمہیں اس امر کی طرف بلا رہا ہے، جو تمہیں زندگی عطا کردے گا۔'' (نیز۔۱۷۔۳/۱)۔(ج)۔سورہءنور میں ہے:۔ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ○ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ (49-24:48)۔''اور جب (ان منافقین کو) اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (صیغہء واحد) ان کے متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق پہلو تہی کرلیتا ہے۔اور اگر ان کا کوئی حق کسی پر واجب ہو تو پھر یہ اس کی طرف (صیغہء واحد) سر جھکائے ہوئے چلے آتے ہیں۔'' (د)۔اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے:۔ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (24:54)۔''اے رسول! ان سے کہہ دو کہ وہ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں۔ازاں بعد اگر یہ اس اطاعت سے روگردانی کرنے لگ جائیں تو یہ سمجھ رکھیں کہ اس پر (صیغہء واحد) صرف اس کی اپنی ذمہ داری ہے، اور وہ تبلیغِ احکامِ خداوندی ہے۔اور ان پر ان کی ذمہ داری۔اگر انہوں نے اس کی (صیغہء واحد) اطاعت کرلی تو صحیح راستے پر لگ جائیں گے۔''۔ان آیات میں دیکھئے!۔''اللہ اور رسول'' کے الفاظ آئے ہیں لیکن صیغے اور ضمائر، واحد کے استعمال کئے گئے ہیں۔یہ اس حقیقت کی بین دلیل ہے کہ اس اصطلاح سے مفہوم۔۔۔اسلامی نظامِ حکومت ہے۔

**سمع وطاعت:۔** (ے)۔آیت (۸/۲۰) میں کہا گیا ہے: أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ۔''تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔۔۔اور اس سے روگردانی نہ کرو۔جبکہ تم سن رہے ہو۔'' وانتم تسمعون (تم سن رہے ہو) میں ایک عظیم حقیقت پوشیدہ ہے۔کتاب تو صامت (خاموش) الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہے۔اس کی آواز سنائی نہیں دیتی۔اس کے لئے ایک زندہ اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا حکم سنایا جائے۔قرآن کریم میں اطاعت کے لئے سماعت (سننے) کی شرط متعدد مقامات میں آئی ہے۔سورہء بقرہ میں ہے: وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ...... (2:285) مومنین کا شیوہ یہ ہوتا ہے، کہ وہ کہتے ہیں۔۔۔''ہم نے اس حکم کو سن لیا ہے اور ہم اس کی اطاعت کریں گے۔'' سورہء المائدہ میں ہے: إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ...... (5:7)۔''جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سن لیا ہے اور ہم اس کی اطاعت کریں گے۔'' سورہء توبہ میں ہے کہ مومنین کا شیوہ یہ ہے کہ: إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ...... (24:51)۔''جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ (صیغہء واحد) ان کے اختلافی

معاملات کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سن لیا ہے اور ہم اس کی اطاعت کریں گے"۔۔۔جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، دین میں خالی کتاب کی اطاعت ممکن نہیں۔

**زندہ، محسوس اتھارٹی:**۔اس کے لئے ایک زندہ اتھارٹی کا ہونا ضروری ہے جو حسبِ موقعہ اور ضرورت، کتاب کے احکام کا آرڈر دے اور جماعت اس آرڈر کی تعمیل کرے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے جو نظام قائم کیا تھا اس میں حضور ﷺ خود وہ پہلی زندہ اتھارٹی تھے جن کے آرڈرز کو سنا جاتا تھا اور ان کی اطاعت کی جاتی تھی۔یہی وہ نظام تھا جسے حضور ﷺ کے بعد بھی بدستور آگے چلنا تھا۔جب تک وہ نظام قائم رہا، کتاب اللہ کی اطاعت، ایک زندہ اتھارٹی کی وساطت سے ہوتی رہی۔جب وہ نظام درہم برہم ہو گیا تو (قرآنی حکومت کے آرڈر دینے والی) زندہ اتھارٹی باقی نہ رہی۔دین، مذہب میں تبدیل ہو گیا اور اطاعت کے لئے مجرد کتابوں کو کافی سمجھ لیا گیا۔اس کا نتیجہ وہ اختلاف و افتراق ہے جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔زندہ اتھارٹی وہ مرکز ہوتی ہے جس کے ساتھ وابستگی سے اُمت کی وحدت قائم رہتی ہے۔وہ نہ رہے تو وحدتِ اُمت کی کوئی صورت ہو نہیں سکتی۔۔آخر میں ہم ایک ایسی آیت سامنے لاتے ہیں جس کے بعد یہ سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی کہ قرآن کی رو سے، "اللہ اور رسول" سے مراد، قرآنی نظامِ حکومت ہے۔یہ نظام، ابتداءً مدینہ میں قائم ہوا تھا۔مسلمان دیگر مقامات (بالخصوص مکہ) میں بھی تھے۔انہیں حکم دیا گیا تھا۔(بلکہ اسے ایمان کی شرط قرار دیا گیا تھا) کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آجائیں۔دیکھئے، اس کے لئے الفاظ کون سے استعمال کئے گئے تھے۔فرمایا: **وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** (4:100)۔"جو شخص خدا کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے دوسرے مقام میں بہت سی پناہ گاہیں، اور کشائش کی راہیں مل جائیں گی۔جو شخص، اللہ اور رسول، کی طرف جانے کے ارادے سے گھر سے نکلے، اگر وہ اپنی منزلِ مقصود تک نہ بھی پہنچ پائے اور اسے راستے ہی میں موت آجائے تو خدا کے ہاں سے اسے بھی پورا پورا اجر مل جائے گا۔نظامِ خداوندی میں حفاظت اور رحمت کے پورے پورے سامان موجود ہوتے ہیں"۔۔غور فرمائیے! یہاں حکم تھا اسلامی نظام کی طرف ہجرت کرنے کا۔اور اس کے لئے "اللہ اور رسول" کی طرف جانے کے الفاظ آئے ہیں۔اگر خالی "رسول" کا لفظ ہوتا تو پھر بھی کہا جا سکتا تھا کہ اس سے مراد وہ مقام (مدینہ) ہے جہاں حضور ﷺ اقامت پذیر ہیں۔لیکن یہاں رسول کے ساتھ، اللہ کا لفظ بھی آیا ہے۔اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مقام میں اقامت پذیر نہیں ہوتے کہ اس مقام کی طرف جانے کو ہجرت قرار دیا جائے۔لامحالہ، اللہ اور رسول سے مراد ہی اس مقام کی طرف ہجرت ہے جہاں اسلامی نظام قائم ہو گیا تھا۔۔۔اس ضمن میں ایک نکتہ اور بھی قابلِ غور ہے۔مکہ کے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا یہ حکم اُس زمانے میں ملا تھا جب نظامِ خداوندی مدینہ میں قائم ہوا تھا اور مکہ میں غیر خداوندی نظام رائج تھا۔بعد میں جب مکہ فتح ہوا اور وہاں بھی قرآنی نظام رائج ہو گیا تو پھر وہاں کے مسلمانوں کو "اللہ اور رسول" کی طرف ہجرت کرنے کے لئے نہیں کہا گیا۔یہ اس لئے کہ اس کے بعد، "اللہ اور رسول کی اطاعت" مکہ میں بھی ہو سکتی تھی۔اس طرح جب، قرآنی مملکت دور دراز کے

علاقوں میں بھی پھیل گئی اور وہاں بھی اسلامی نظام قائم ہوگیا تو نہ صرف یہ کہ وہاں کے مسلمانوں سے نہیں کہا گیا کہ وہ ''اللہ اور رسول'' کی طرف ہجرت کریں، بلکہ خود مدینہ کے مسلمان ان علاقوں میں جا جا کر بس گئے۔ یہ اس لئے کہ اب وہاں بھی ''اللہ اور رسول'' (نظامِ حکومتِ خداوندی) موجود تھا۔۔۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول'' کا مفہوم کیا ہے۔

**الگ الگ اطاعتیں:۔** اسلام کے صدرِ اوّل (عہدِ رسالتمآب ﷺ وخلافتِ راشدہ) میں اس کا یہی مفہوم لیا جاتا تھا۔ بعد میں جب خلافت، ملوکیت میں بدل گئی تو نظامِ حکومتِ خداوندی بھی باقی نہ رہا۔ اور اس کے ساتھ ہی قرآن کریم کی مختلف اصطلاحات کا مفہوم بھی بدل گیا۔ ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول'' میں اللہ کی اطاعت الگ، اور رسول کی اطاعت الگ، تصور کر لی گئی۔ اور رسول کی اطاعت کے لئے روایات کے مجموعے مرتب کرنے کی ضرورت لاحق ہوگئی۔ اگر اُمت کی قسمت یاوری کرتی تو سوچا جاتا کہ وہ کون سی کڑی گم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے دین کا سارا نقشہ بدل گیا ہے۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا اور اُمت، دین کی جگہ ''مذہب'' پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد آج تک یہی کیفیت چلی آرہی ہے۔ اگر غلط کا ٹامرنے سے گاڑی دوسری پٹڑی پر جا پڑے تو ابتداءً (غلط اور صحیح پٹڑیوں میں) چند انچوں کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن جوں جوں گاڑی آگے بڑھتی جائے، وہ منزل سے دور تر ہوتی جاتی ہے۔ اور جس قدر تیز رفتار سے وہ چلے، منزل سے اس کا بُعد اسی نسبت سے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس ہزار برس میں، اُمت کی گاڑی کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ جتنی کوششیں ''اسلام'' کے فروغ کے لئے کی جاتی ہیں، ان سے ''مذہب'' کی گرہیں اور مضبوط ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور چونکہ مذہب پیشہ (Profession) بن چکا ہے اس لئے اس سے وابستہ مفاد پرستیاں ان گرہوں کو اور بھی زور سے کستی رہتی ہیں۔۔۔ اندریں حالات، دین کا احیاء اُن سعادت مند افراد کے ذریعے ہی ممکن ہوگا جو دین کے قرآنی تصور کو اچھی طرح سمجھ کر، اسے عملی پیکر میں متشکل کرنے کی جراءت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ لیکن اس کے لئے دین کے تصور کا سمجھ لینا ہی کافی نہیں ہوگا۔

**اسوہءحسنہ:۔** اس کے ساتھ اپنی سیرت و کردار کو حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوہءحسنہ کے قالب میں ڈھالنا بھی ضروری ہوگا۔ یہ شرط جذباتی نہیں، خود خدا کی عائد کردہ ہے: **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** ..... (33:21)۔ ''یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ کی زندگی تمہارے لئے بہترین (بلکہ حسین ترین) ماڈل ہے۔'' (اگرچہ یہ آیت۔ جنگِ احزاب کے موقعہ پر۔ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے جہاں حضور ﷺ نے بے حد نازک مقام پر انتہائی شجاعت اور استقامت کا ثبوت دیا تھا، لیکن میرے نزدیک اس کا اطلاق حضور ﷺ کی پوری کی پوری سیرت پر ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ جس بلندیءکردار اور پاکیزگیءسیرت کی مظہر تھی، وہ اُمت (ہی نہیں، تمام انسانیت) کے لئے اسوہءحسنہ ہے۔ اس کی پیروی اتباعِ سنتِ رسول اللہ ﷺ کہلائے گی)۔ اس ماڈل کے بنیادی خط و خال بھی اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کے اندر محفوظ کر دیئے ہیں۔ میں نے حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ قرآنی آئینہ کے مطابق مرتب کی ہے (جو معراجِ انسانیت کے نام سے، قریب پانچ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے) اس میں سیرتِ نبوی ﷺ کے بنیادی

عنوانات قرآن سے لے کر، احادیث اور تاریخ سے وہ واقعات لئے گئے ہیں جو اس قرآنی عنوان کی تائید کرتے ہیں۔ اس سیرتِ طیبہ کو بطور ماڈل سامنے رکھنے سے مومن کے اندر وہ صفات منعکس ہونے لگ جاتی ہیں۔ یہ ہے مراد اسوہء حسنہ کی پیروی سے۔۔۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ احکام کی اطاعت اور اسوہ کی پیروی میں بنیادی فرق ہے۔ احکام کی اطاعت تو اسی نظام کی رو سے ہوگی جس کی تشریح سابقہ صفحات میں کی گئی ہے۔ اسوہء رسول اللہ ﷺ کے معنی ہوں گے اپنے اندر ان صفات کا پیدا کرنا جن کی حسین وجمیل مظہر حضور رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ اقدس تھی۔ ان صفات کے حاملین کی جماعت ہی اس قابل ہوگی کہ وہ نظامِ خداوندی کو از سرِ نو قائم کر سکے۔ خدا کے وعدہ کے مطابق، قائم تو اسے بہر حال ہونا ہے۔ دیکھیں یہ سعادت کس خطہء زمین اور کن طالع مند افراد کے حصے میں آتی ہے۔ یہ اسی سرزمین میں قائم ہو سکے گی جس میں مذہبی پیشوائیت کا عمل دخل نہ ہو۔ اس نظامِ خداوندی کی اطاعت بمنزلہ ''اللہ اور رسول کی اطاعت'' کے ہوگی۔۔۔ اس نظام میں اطاعت، قرآن کریم کے قوانین واصول واقدار کی ہوگی۔''

**اطاعتِ رسول ﷺ:۔** طلوعِ اسلام اگست ۱۹۸۴ء ص۔۴۵:۔ ''ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اطاعتِ رسول ﷺ کے سوال کو ذرا اور وضاحت سے بیان کر دیا جائے۔ اس باب میں دو آیات غور طلب ہیں، جنہیں خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ (۱)۔ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ**..... (4:64) ''رسولوں کو اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ حکمِ خداوندی کے مطابق ان کی اطاعت کی جائے''۔ (۲)۔ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ** (4:80)۔ ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی''۔ اسلام کو اگر ایک ''مذہب'' (ہر فرد کا اپنا اپنا معاملہ) سمجھا جائے تو ان آیات سے ذہن میں الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان سے (نظر بظاہر) خدا اور رسول کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصور سامنے آتا ہے جو توحید کے خلاف ہے۔ لیکن اسلام ''مذہب'' نہیں۔ وہ نظامِ حکومت ہے اور نظامِ حکومت کی روشنی میں ان (اور ان جیسی دیگر) آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ نہ ہی کوئی الجھن باقی رہتی ہے۔

**نظامِ حکومت:۔** مثال کے طور پر کسی آئینی حکومت میں سڑک کے چوراہے پر کھڑا سپاہی جب کسی غلط راہرو کو ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہے تو وہ اس سے اپنے حکم کی اطاعت نہیں کراتا۔ وہ اس حکم کی اطاعت کراتا ہے جسے نافذ کرنے کے لئے اسے وہاں تعینات کیا گیا ہے۔ اسی مثال کو اوپر تک لے جایئے۔ سپاہی سے لے کر آئی جی پولیس تک، سب قوانینِ مملکت کی تعمیل کرانے کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ گورنر کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ صدرِ مملکت کا فریضہ بھی قانونِ مملکت کی تنفیذ ہوتا ہے۔ وہ بھی اہلِ مملکت سے قانون کی اطاعت کراتا ہے۔ اپنا حکم نہیں منواتا۔ اور وہ قانون بھی خود اس کا وضع کردہ نہیں ہوتا۔ قانون ساز اتھارٹی کا مرتب کردہ ہوتا ہے۔ انسانی دنیا میں نظامِ خداوندی یہ ہے کہ لوگ اس کے قوانین کی اطاعت کریں۔ یہ قوانین اس کتاب میں منضبط ہیں۔ لیکن کتاب کے الفاظ تو اپنی اطاعت نہیں کرا سکتے۔ ان کی اطاعت کرانے کے لئے ایک زندہ محسوس اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنی کتاب کے ساتھ رسول بھیجتا ہے (تھا)۔ رسول کا مقصد لوگوں سے کتابِ خداوندی کی اطاعت کرانا ہوتا تھا۔ اپنی اطاعت

نہیں۔ یہ ہے مفہوم مندرجہ بالا آیت (۴/۶۴) کا جس میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنی اطاعت رسولوں کے ذریعے کراتا ہے۔ جو شخص ٹریفک کے سپاہی کے حکم کی اطاعت کرتا ہے وہ اس سپاہی کی اطاعت نہیں کرتا۔ وہ درحقیقت اس اتھارٹی کی اطاعت کرتا ہے جس کی اطاعت کا حکم وہ سپاہی دیتا ہے۔ اس سے اس آیہء جلیلہ کا مفہوم۔ بلاتمثیل۔ واضح ہو جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی (۴/۸۰)۔ اسی نظامِ اطاعت کو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان چند جامع الفاظ میں سمو کر فرمادیا کہ:۔ من اطاعنی فقد اطاع اللہ۔ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی (بخاری۔ کتاب الاحکام)۔ ''جس نے میری اطاعت کی اس نے (درحقیقت میری نہیں بلکہ) اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے (اس امیر کی نہیں بلکہ درحقیقت) میری اطاعت کی۔''۔ ایک آئینی اور نظامی حکومت میں اطاعتوں کا یہی سلسلہ نیچے سے اوپر تک مسلسل چلتا ہے۔ لیکن یہ اطاعت ان کڑیوں (عمالِ حکومت) میں سے کسی کی نہیں ہوتی۔ یہ سب قانون کی اطاعت کرتے ہیں۔ حکومتِ خداوندی میں یہ قانون خدا کا عطا فرمودہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ اطاعت آخرالامر خود خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس باب میں، اور تو اور خود حضور نبی اکرم ﷺ بھی اپنے آپ کو خدا کا ''عبد'' (محکوم) قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر (بفرض محال) مجھ سے بھی اس کے حکم کی خلاف ورزی ہو جائے تو مجھ سے بھی سخت مؤاخذہ ہوگا۔ خدا کی اطاعت کرانے کے لئے محسوس زندہ اتھارٹی کی ضرورت کس قدر لاینفک ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ فرمانِ خداوندی اور ارشاداتِ نبوی ﷺ دونوں میں ''سمع وطاعت'' کو لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ یعنی ''حکم کا سننا اور اس کی اطاعت کرنا''۔ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ..... (5:7)۔ ''جب تم نے کہا کہ ہم نے حکم سن لیا ہے اور ہم اس کی اطاعت کریں گے۔'' سورہء نور میں ہے کہ ''جماعت مومنین کا شیوہ یہ ہے کہ جب انہیں ان کے کسی معاملہ میں حکم دینے کے لئے بلایا جائے تو وہ کہتے ہیں:۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ..... (24:51)۔ ''ہم نے سنا اور ہم اس کی اطاعت کریں گے۔'' ارشادِ نبوی ﷺ ہے:۔ لا اسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا بالامیر۔ ولا امیر الا بالسمع والطاعۃ۔ ''اسلام نام ہے جماعت (ہیئتِ اجتماعیہ) کا۔ اور جماعت (ہیئتِ اجتماعیہ) قائم ہوتی ہے، امیر (مرکزِ حکومت) سے۔ اور امیر کا وجود اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے احکامات کو سنا جائے اور پھر ان کی تعمیل کی جائے۔ حضور ﷺ کے عہدِ ہمایوں میں، اللہ کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور امیر کی اطاعت سے یہی مفہوم تھا۔ یہ الگ الگ اطاعتیں نہیں تھیں۔ یہ اطاعتِ خداوندی کا عملی طریقہ تھا۔ جب تک امت۔۔۔ کی مرکزیت کا یہ نظام قائم رہا، اس قسم کے سوال ہی پیدا نہ ہوئے کہ خدا کی اطاعت کس طرح کی جائے اور رسول ﷺ کی کس طرح۔ یا فقہاء اور علماء کی کس طرح؟۔ یہ انتشار اس وقت پیدا ہوا جب امت کی مرکزیت (خلافت علیٰ منہاجِ رسالت) باقی نہ رہی۔''

(نوٹ):۔ پرویز صاحب کے نظریہء حدیث کے بارے میں مزید جاننے کے لئے اُن کی کتب ''معراجِ انسانیت''، ''شاہکارِ رسالت'' اور (پرویز صاحب کی تائید یافتہ) ادارہ طلوعِ اسلام کی شائع کردہ کتاب ''مقامِ حدیث'' کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

☆.....☆.....☆

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

آٹھویں قسط

# متحرک نفسیات

## Dynamic Psychology

آموزش سے مراد مشق یا تجربے کے ذریعے کسی فرد کے کردار یا اس کی فعالیت میں خاص تبدیلی ہے۔ تعلیم کردار کی ایسی تبدیلی ہے جو بالیدگی سے نہیں بلکہ انسان کے ذاتی تجربے کے نتیجے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ تبدیلی کم وبیش مستقل ہوتی ہے۔ آموزش کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اندرونی جسمانی تبدیلی کو براہِ راست دیکھنا ناممکن ہے۔ لہٰذا کردار میں نظر آنے والی تبدیلی کو آموزش کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ تشریط (Conditioning) کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس عمل میں تقویت عاملانہ (Reinforcement) ایک اہم عنصر ہوتا ہے۔ یہ وہ عنصر ہے جو مشروط ردِعمل کے دوبارہ واقع ہونے کے امکان کو بڑھا دیتا ہے۔ اور اسے مضبوط بناتا ہے۔ کسی بھی جانور کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے کسی قسم کی آموزش یعنی سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ یہ انسان ہے جو مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے کسی کام یا فائدے کے لئے سدھاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ بنیادی مثبت تقویت اور منفی تقویت کے طریقے استعمال کرتا ہے۔ آپ جس چیز کے لئے جانور کو سدھانا چاہتے ہیں' جانور اس کے لئے تیار نہیں ہوتا وہ اسے اپنے لئے بیگار سمجھتا ہے۔ وہ بھاگتا ہے' احتجاج کرتا ہے حتیٰ کہ مقابلے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے۔ یہاں پر آپ پہلے بنیادی مثبت تقویت کا استعمال کرتے ہوئے پہلے اسے انعام کے طور پر وہ اشیا دیتے ہیں جو فطری طور پر جاندار کی جسمانی ضروریات کی تسکین اور تقویت کا باعث بنتی ہیں۔ اگر مقصد حل ہو جائے تو ٹھیک ورنہ آپ منفی تقویت کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے جاندار کو سزا دیتے ہیں اور یہ سزائیں مختلف اقسام کی ہوتی ہیں۔ یوں کچھ عرصے کی کشمکش اور تگ ودو کے بعد جانور صورت حال سے سمجھوتا کر کے بامر مجبوری آپ کے اشاروں پر ناچنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے مگر اس کی یہ تمام حرکات شعوری نہیں بلکہ میکانکی اور غیر ارادی ہوتی ہیں۔

آموزش کے عمل کا ایک اہم پہلو حافظہ (Retention) ہے۔ جب ہم ایک چیز سیکھتے ہیں تو ہمارے اندر تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی عارضی بھی ہوتی ہے اور مستقل بھی۔ اس کے نتیجے میں سیکھی ہوئی چیزیں یاد رہتی ہیں اور انہیں دوبارہ ذہن میں لایا جا سکتا ہے۔ آموزش کے بعد ذہن میں محفوظ رہ جانے والی چیزیں حافظہ کہلاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حافظہ ایک ذہنی صلاحیت بھی ہے۔ یعنی حافظہ سے مراد وہ صلاحیت ہے جس کی بدولت ہم سیکھی ہوئی چیزوں اور روزمرہ کے تجربات اور مشاہدات کو یاد رکھتے ہیں۔ بوقت ضرورت انہیں دوبارہ ذہن میں لا سکتے ہیں اور ان کی شناخت کر سکتے ہیں۔ حافظہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔

اس کی بدولت ہمیں پچھلی باتیں یاد رہتی ہیں اور انہیں ہم آئندہ آموزش اور روزمرہ کے کاموں میں استعمال کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اچھا حافظہ ایک اہم خوبی تصور کی جاتی ہے۔ حافظے کی اس خوبی کا انحصار دیگر باتوں کے علاوہ یاد کرنے کے عمل پر بھی ہے۔ اگر چیزوں کو منظم طریقے سے ان کا مفہوم سمجھ کر اور باہم مربوط کر کے یاد کیا جائے تو وقت ضرورت انہیں ذہن میں لانا آسان ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ کسی بھی چیز کے آسانی سے یاد آ جانے کا انحصار یاد کرنے والے کی دلچسپی، ذہنی اور جسمانی حالت پر بھی ہے۔ دلچسپ باتیں جلد یاد آ جاتی ہیں۔ اور جن باتوں کو آپ کسی وجہ سے پسند نہیں کرتے وہ جلد بھول جاتی ہیں۔

انسان مادی یا جسمانی لحاظ سے حیاتیاتی ارتقاء (Organic Evolution) کے ایک طویل سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ لیکن قرآن مجید کے مطابق اس کے جسمانی ارتقاء کے بعد اللہ نے اسے نفس، روح، ذات یا خودی (Divine Energy) جیسی متاع سے نواز کر اسے بالکل ایک نئی شکل دے دی جس کا گذشتہ ارتقائی سلسلے سے کسی پہلو سے بھی کوئی تعلق یا واسطہ نہیں تھا (23:12-14) میں نے اپنے مضمون ''نظریہ ارتقاء'' میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہاں پر اس کی یاددہانی کی وجہ یہ ہے کہ اب انسان کے نظام اعصاب (Nervous System) پر بات ہوگی جس میں بڑی حد تک دیگر جاندار بھی شامل ہیں۔ اس لئے انسان اور جانوروں کے بنیادی اور اساسی امتیازات و منفرد خصوصیات نظروں سے اوجھل نہ ہو جائیں۔ ہمارے اردگرد پھیلا ہوا ماحول جانداروں پر مختلف طریقوں سے عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسی عمل کے باعث جاندار کئی قسم کے ردِ اعمال کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے یہ ردِ اعمال (Reactions) کس طرح اور کیونکر ممکن ہیں؟ اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں جانداروں کی ساخت اور ان کے جسمانی اعمال کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اس علم کو علم عضویات (Physiology) کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے نفسیاتی اعمال ایسے ہیں جن کی وجوہات عضویہ کی کارکردگی پر منحصر ہیں اس لئے ہمیں نفسیات کی ایک مخصوص شاخ یعنی عضویاتی نفسیات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ نفسیات کی وہ شاخ ہے جو نفسیاتی اعمال کی عضویاتی بنیادیں تلاش کرتی ہے۔ مثلاً کوئی پیچیدہ کام کرتے ہوئے انسان کو تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ اس تھکاوٹ اور بوریت کے باعث اس کے کئی جسمانی عمل کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اس عضویاتی تھکاوٹ کو کسی غیر دلچسپ کام کو دلچسپ کام میں تبدیل کر کے کم کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے دیگر حقائق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب تک کردار کی باقاعدہ تشریح نہ کی جائے تب تک کوئی تحقیق نہیں ہو سکتی۔ کردار کی باقاعدہ تشریح کے لئے عضویاتی نفسیات کا قیام عمل میں آیا جو جسمانی تبدیلیوں کا جائزہ لیتی ہے۔

نفسیاتی واردات میں جسم کے اندر کئی قسم کی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ بعض اعمال تیز ہو جاتے ہیں، بعض سست پڑ جاتے ہیں یا بند ہو جاتے ہیں اور بعض صورتوں میں کچھ نئے اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں، مثلاً جسمانی یا نفسیاتی دباؤ کی موجودگی میں عام طور پر دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ مختلف کیفیات میں پیدا ہونے والی دیگر اندرونی جسمانی تبدیلیوں میں پٹھوں کے تناؤ، سانس کی رفتار، خون کے

دباؤ، جسم کے مختلف حصوں میں خون کی مقدار، برقی جلدی ردِعمل، معدے اور آنتوں کے افعال، آنکھوں کی پتلی کے سائز، غدودوں کے فعل، خون کی کیمیائی ترکیب اور دماغ میں پیدا ہونے والی لہروں کی نوعیت، تعدد (Frequency) اور آہنگ (Rhythm) میں ظاہر ہونے والی تبدیلیاں شامل ہیں۔ سائنسی تبدیلیوں کی پیائش کر کے اس کردار کی نوعیت اور شدت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ خوف، افسردگی نیند، جوش وغیرہ کے مسائل حل کرتے ہوئے یا کسی صورتحال یا چیز کا تصور کرتے ہوئے، غرض کسی بھی نفسیاتی کیفیات سے متعلق ذہنی اعمال اور اظہاری کردار کے مطالعے کے ساتھ ساتھ اس کیفیت سے منسلک اندرونی جسمانی تبدیلیوں کے مطالعہ کی بدولت زیر مطالعہ فرد کو زیادہ بہتر اور مکمل طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر انسان کے ظاہری کردار کا جائزہ لینے کے دوران مختلف آلات کی مدد سے اس کے دِل کی دھڑکن کی رفتار، برقی جلدی ردِعمل اور آنکھوں کی پتلیوں کے سائز کی پیائش کر لی جائے تو اس کے مسئلے کو زیادہ معروضی انداز میں سمجھا جاسکتا ہے۔ جانچ کے نفسی فعلیاتی طریقوں میں دروغ شناس (Polygraph) آلہ بہت مشہور ہے۔ یہ آلہ دل کی دھڑکن کی رفتار اور برقی جلدی ردِعمل میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کی پیائش کرتا ہے۔

انسانی کردار اور افعال کو جاننے کے لئے بہت سی تدابیر اختیار کی جارہی ہیں۔ جانداروں کے کردار میں جسم / عضویہ کی اہمیت سے واقفیت کے بعد یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ عضویہ میں کونسا ایسا اہم حصہ ہے جو تمام جسمانی نظاموں کو کنٹرول کرتا ہے۔ اس حقیقت کو عام انسان بھی جانتا ہے کہ تمام جسمانی نظاموں کا کنٹرول عصبی نظام کے ذمہ ہے اور عصبی نظام کے تمام عمل کا کنٹرول دماغ (Brain) کے ذمہ ہے۔ ہمارے دماغ ہی سے حسی اشارے جسم کے تمام حصوں تک پہنچتے ہیں۔ اس کا اندازہ یوں کریں کہ ایک سیکنڈ کی قلیل مدت میں ہمارے دماغ تک قریباً ایک سو حسی اشارات پہنچتے ہیں۔ ان حسّی اشارات کو قبول کرنے کے بعد باقاعدہ جوابی عمل کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مثلاً سامنے سے آتی ہوئی تیز روشنی کو دیکھ کر ہم یکدم آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یہی تیز روشنی آنکھ کے ذریعے دماغ کو یہ حسی اشارہ بہم پہنچاتی ہے کہ روشنی بہت تیز ہے۔ جبکہ عصبی نظام تیز روشنی سے آنکھ کو محفوظ کرنے کے لئے آنکھ بند کرنے کا اشارہ کرتا ہے۔ تیز روشنی کا آنکھوں پر اثر کرنا عمل ہے جبکہ آنکھوں کا بند کرنا ردِعمل ہے۔ ہم نے یقیناً عمل اور ردِعمل کا احساس کئے بغیر ہی سب کچھ کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ ان دونوں اعمال کے مابین وقفہ اتنا قلیل ہے کہ ہمیں اس کا احساس ہی نہیں ہوا۔ حسی اشارے کی وصولی (عمل) اور جوابی ردعمل (آنکھ بند کرنا) بہت جلد واقع ہوتے ہیں۔ اس عمل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حسی عمل اور ردِعمل کسی ذریعے یا حوالے سے ہی ہوسکتا ہے۔ حسی اعمال اعصاب ہی کے سلسلے ہیں جو تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کا کنٹرول دماغ کرتا ہے۔ تمام جسم میں اعصاب کا یہ پھیلا ہوا جال ایک تنظیم سے کام کرتا ہے۔ اعصاب کی یہی تنظیم عصبی نظام کہلاتی ہے۔ یہ نظام ہماری حرکات، سوچ و بچار، یاد، ہیجانات (جذبات)، محرکات، توجہ اور آموزش وغیرہ کے عمل میں کام کرتا ہے۔ چونکہ یہ امر یقینی ہے کہ زندہ عضویوں یا اجسام میں بتدریج تبدیلیاں ہوتی ہیں اس لئے یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارا موجودہ عصبی نظام بتدریج اِرتقا کا نتیجہ ہے۔ ایران

سے تعلق رکھنے والے فلسفی احمد ابن محمد یعقوب م 1030ء عرف ابن مسکویہ نے چارلس ڈارون م 1882ء سے آٹھ صدیاں قبل عملِ اِرتقاء کی تشریح کی تھی۔ یہ وہ مفکر تھا جس نے فکرِ یونان کے جامد (Static) تصورِ کائنات کے خلاف کئی زاویوں سے اختلاف کیا تھا۔ بعد میں دیگر مسلم مفکرین نے بھی ایسا ہی کیا۔

حیاتیاتی ارتقاء کے عمل میں ہمارے جسم کے علاوہ دماغ بھی بہت سی تبدیلیوں کے بعد اس درجے تک پہنچا ہے۔ انسانی دماغ ماحول سے وابستہ ہے اور اس ماحول کے اثرات دماغ میں تبدیلیاں لانے کا سبب بنتے ہیں۔ صحت مند تبدیلیاں دماغ کی نشوونما کا سبب ہیں۔ زیادہ دماغی کام کرنے والے شخص کا دماغی حصہ زیادہ کام کرتا ہے اس طرح اس کا ذہنی ارتقاء بھی ہوتا رہتا ہے۔ ذہنی ارتقاء کا دماغ کے سائز سے براہِ راست تعلق ہے کہ نہیں' اس بارے میں ماہرین کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔ اس سلسلے میں انسانی دماغ کا تقابل (Comparison) ہاتھی کے دماغ سے کیا جاتا ہے کہ ہاتھی کا دماغ انسانی دماغ سے تین گنا بڑا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہاتھی ذہانت کے اعتبار سے انسان سے تین گنا بڑا ہے۔ بلکہ انسانی دماغ سائز میں چھوٹا ہونے کے باوجود کارکردگی اور ذہانت کے لحاظ سے ہاتھی کی دماغی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔ دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں انسان کے دماغ اور اس کے جسم کے تناسب کا خیال بھی رکھنا چاہئے۔ یعنی انسان کا دماغ اپنے جسم کے تقریباً 1/40 ویں حصے کے برابر ہے۔ جبکہ ہاتھی کا دماغ اپنے جسم کے تقریباً 1/440 ویں حصے کے برابر ہے۔ تاہم ناصرہ فاروق کا کہنا ہے کہ دماغ کا سائز اس کے ذہنی ارتقا کی مکمل ترجمانی نہیں کرتا۔ مثلاً روسی مصنف 'Tmgenev' فرانسسی فطرت پسند 'Cveir' اور برطانوی شاعر 'Byron' کے دماغ کا حجم 2000cc تھا جبکہ جرمن فلاسفر کانٹ اور فرانسسی مصنف اناتولی کے دماغ کا حجم 1000cc کے برابر تھا تاہم ان مفکرین کے اعلیٰ کارناموں اور ذہنی سرگرمیوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ناصرہ فاروق لکھتی ہیں۔ ''مندرجہ بالا حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے دماغ کے سائز (حجم' جسامت) اور ذہنی ارتقاء میں کوئی واضح نسبت نہیں ہے۔ کوئی بھی انسان اپنے مکمل دماغ کو استعمال نہیں کرتا۔ کچھ ماہرین کے مطابق انسان اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ دماغ کا 29 فیصد حصہ استعمال کرتا ہے''۔ اس 29 فیصد حصے کو معلوم کرنا یقیناً ممکن نہیں جب تک دماغ کی حتمی قوت کا علم نہ ہو۔ میں کہیں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ انسان یہ معلوم کر ہی نہیں سکتا کہ اس کی ذہنی صلاحیتوں کی آخری حد کیا ہے۔ ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ذہنی صلاحیتوں کا ارتقا جاری ہے اور جاری رہے گا۔ ماہرین دماغ کے اوپر والی تہہ یعنی قشر (Cerebral Cortex) کی نشوونما کا سلسلہ ڈاگ فش (Dog Fish) سے شروع کرتے ہیں اور کبوتر' چوہے' کتا' گوریلا وغیرہ کے بعد انسان پر اس کا اختتام کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دماغ کی تہہ کی یہ ترقی دراصل دماغ کی سرگرمی سے ہوئی۔ دماغ کے ارتقاء کا عمل اب بھی جاری ہے۔ اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ ماحول کی پیچیدگی اور بیرونی عوامل کی تبدیلیوں کے باعث زندہ عضویوں (Organs) میں پیچیدگیاں پائی جانے لگی ہیں۔ اس لئے عصبی نظام کے کچھ حصے ابھی تک ایسے

ہیں جن کی کارکردگی کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ آئندہ کی تحقیق نظام عصبی کے بارے میں کئی انکشافات کرے۔ جانداروں میں زندہ رہنے کے لئے ماحول کے مطابق ڈھلنے کی صلاحیت یا طریقہ کار پایا جاتا ہے۔ یہ طریقے مختلف ہوتے ہیں لیکن اضطراری افعال تمام جانداروں میں پائے جاتے ہیں۔ اضطراری افعال پیدائشی یا موروثی ہوتے ہیں۔ یعنی ان اعمال میں آموزش یا تعلیم و تربیت کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی کا ہاتھ کسی گرم شے سے چھو جائے تو وہ فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ یہ مشروط فعل اضطراری کی ایک مثال ہے جس میں شرط ''آگ'' ہے اور فعل اضطراری ہاتھ کو کھینچنا ہے۔ تمام جانداروں کے لئے کسی خارجی مہیج سے ایک حس پیدا ہوتی ہے۔ ''جانور صرف اور صرف اس حس کے اشارے سمجھتا ہے جبکہ انسان اس اشارے کو اپنی عقل سے منور کرتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانی دماغ کیفیتی اعتبار سے مختلف ہے۔ انسان پر اس کا سماجی پس منظر اثر انداز ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسانوں پر مہیجات سے ابھرنے والے اشارات مختلف اعمال کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان اشارات کو معنی دینے میں انسان اپنی بصیرت سے کام لیتا ہے۔ مثلاً گدھ اور عقاب کی آنکھیں انسانی آنکھوں کے مقابلے میں بہت دور تک دیکھ سکتی ہیں۔ لیکن جو چیز دیکھی جا رہی ہوتی ہے اس کے لئے انسانی عقل و بصیرت بے پایاں ہو سکتی ہے۔ یعنی انسان مستقبل میں ہونے والے واقعات کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسی کے سبب وہ پیشین گوئی بھی کر سکتا ہے۔ یہ سب انسانی شعور کے فروغ کے سبب ممکن ہوا۔ انسانی شعور کی ترقی میں زبان اور بول چال (مربوط گویائی) نے مزید تقویت پہنچائی اور اسی کے سبب انسان جانوروں کی دنیا سے علیحدہ اور بلند تر ہو گیا۔ انسانی شعور کی نشوونما کا عمل جاری و ساری ہے''۔

مجلسی نظام کے ارتقاء کو دو روسی ماہر عضویات سچینوف اور پالوف نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق تمام تر دماغی افعال خاص مادی سلسلہ ہائے عمل یعنی عضویاتی سلسلے پر مبنی ہیں اور قشر میں واقع ہیں۔ اور جسمانی افعال میں دماغ کا ایک خاص حصہ یا وزن کام کرتا ہے۔ تمام دماغ جسمانی افعال میں کام نہیں کرتا۔ ناصرہ فاروق کے مطابق موجودہ نارمل انسان کے دماغ کا اوسطاً حجم 1450cc ہے جبکہ انسان کی پیدائش سے پہلے دوتانگی مخلوق کے دماغ کا حجم 600cc تھا۔ اور اگر ایک نارمل انسان کے قشر کو پھیلایا جائے تو تین ہزار مربع سینٹی میٹر کا رقبہ درکار ہوگا۔ زندہ جسم کا ارتقاء بے جان مادے سے ہوا ہے۔ ارتقاء کے اس عمل میں انعکاس (Reflection) کا عمل خاص طور پر شامل ہے۔ انعکاس سے مراد بیرونی اثرات کے تحت اپنی تعمیر نو کرنا اور مناسب ردِعمل پیش کرنا ہے۔ مثلاً ناک میں جھلاہٹ (Irritation) ہونا اور نتیجے کے طور پر چھینک کا آنا۔ درخت اور پودے دھوپ میں پروان چڑھتے ہیں۔ اگر ان کو چھاؤں میں رکھا جائے تو عدم انعکاس کے باعث ان کے پتے زرد ہو کر جھڑ جائیں گے۔ انعکاس کی اعلیٰ شکل حس، ہیجانات اور جوابی عمل کے طور پر ابھری۔ انعکاس یا اضطراری افعال کی تشریح یوں ہے کہ ماحول سے ہیجانات حسی اعضا (حواس) تک پہنچتے ہیں اور ان اعضا میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یہ تحریک یا حرکت دماغ یا حرام مغز (Spinal Cord) تک پہنچتی ہے۔ یہاں

دوبارہ تحریک پیدا کرنے کے بعد واپس عضلات یا غدود کی طرف جاتی ہے جہاں عضلاتی حرکت پیدا ہوتی ہے۔ انعکاس کا عمل یوں ہوتا ہے۔ ماحول آلہ حس تحریک عضلاتی حرکت عضلات دماغ تا حرام مغز۔ سچینوف کے مطابق بعض صورتوں میں جسم کو بہت جلد جوابی عمل کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں دماغ کی ہدایت کا انتظار نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے ہنگامی عمل کو بھی انعکاس ہی کا نام دیا جاتا ہے۔ انعکاس کے عمل میں تین خصوصی قسم کے آخذات (Receptors) کام کرتے ہیں۔ آخذے بیرونی دنیا کا علم حاصل کرنے کے لئے ایک دروازے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آخذات کی اقسام یہ ہیں (1) درآور آخذات (Introceptors) (2) برآمد آخذات (Extroceptors) اور (3) خودآخذات (Propioceptors)۔

مرکزی نظامِ عصبی (Central Nervous System) (C.N.S) دماغ اور حرام مغز پر مشتمل ہے۔ حرام مغز اضطراری نظام کو اور دماغ پیچیدہ افعال کو کنٹرول کرتا ہے۔ مرکزی نظامِ عصبی اعلیٰ درجہ کے جانوروں اور انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ زندہ عضویوں سے ارتقائی عمل کے بعد رونما ہوا ہے۔

حرام مغز دماغ ہی کا پھیلاؤ ہے۔ اس کا وزن تقریباً ڈیڑھ اونس ہے یعنی 30 گرام۔ دماغ کی طرح یہ بھی تین پردوں (Membranes) سے ڈھانپا گیا ہے۔ اس کے اندر اور باہر ایک خاص مائع متحرک ہے۔ حرام مغز ریڑھ کی ہڈی میں واقع ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کا مضبوط ہونا بہت ضروری ہے اس لئے کہ یہ جسم کا وزن اٹھانے میں مددگار ہے۔ حرام مغز کی نالی (Spinal Cord) مہروں کے درمیان سوراخوں سے گزرتی ہے۔ دیگر اعمال کے علاوہ حرام مغز اضطراری افعال کا مرکز ہے۔ یعنی ہنگامی صورت حال میں دماغ کے اعصاب کا کام کرتا ہے۔ اور حسی تاثرات کو دماغ تک پہنچانے کی بجائے خود حرکی اعصاب کا کردار ادا کرتا ہے جلد از جلد احکام جاری کرتا ہے تاکہ ہنگامی صورتِ حال میں فرد یا اس کے کسی عضو کو حادثے کا شکار ہونے سے بچایا جاسکے۔ اس میں تلازمی اعصاب بھی پائے جاتے ہیں یوں یہ انعکاسی عمل کو بھی کنٹرول کرتا ہے۔ اگر حرام مغز کا تعلق دماغ سے منقطع ہوجائے تو جسم کا نچلا حصہ مفلوج ہوجاتا ہے۔

دماغ کا تنا (Brain Stem) دماغی وظائف کے لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ یہ جسم کے بہت سے وظائف کو کنٹرول کرتا ہے۔ مثلاً دل کی دھڑکن کی باقاعدگی، خون کا دباؤ اور سانس کی آمدورفت وغیرہ۔ کسی حادثے میں اگر تمام دماغ تباہ ہوجائے لیکن دماغ کا تنا محفوظ رہے تو جسم کچھ دیر کے لئے زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ حرام مغز کے ساتھ مل کر اپنے وظائف سرانجام دیتا ہے۔ دماغ کا تنا مسلسل معلومات کو معائنے کے بعد آگے دماغ تک لے جاتا ہے۔ جہاں سے جسم کو اشارات بھیجے جاتے ہیں۔ دماغ کے تنے کے چھوٹے سے حصے میں عرشہ (Thalmus) اور زیریں عرشہ (Hypothalmus) واقع ہیں اور یہ دونوں مکمل طور پر (Cerebrum) کی بڑی مقدار سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ دماغ ایک اہم عضو ہے جو ہمارے جسم کے سب سے اوپر کے حصے میں واقع ہے۔ دماغ مکمل

سر کے آدھے حجم کے برابر ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر کسی حادثے سے محفوظ رکھنے کے لئے قدرت نے اس کی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے۔ یہ آٹھ گول اور مضبوط ہڈیوں پر مشتمل کھوپڑی میں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ مزید حفاظت کے لئے تین جھلیاں یا پردے (Membranes) ہیں جو مکمل طور پر دماغ کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ ان پردوں کے درمیان مائع ہے جس میں دماغ تیرتا ہے۔ دماغ کا کام تمام افعال و کردار کو کنٹرول کرنا ہے۔ (یہ افعال و کردار حرکات و سکنات ہوں یا سوچ بچار اور یادداشت کے عمل)۔ عام طور پر دماغ براہِ راست کام نہیں کرتا بلکہ یہ خون میں چھوٹے چھوٹے کیمیائی ذرات میں تبدیلی لاتا ہے اور نتیجے کے طور پر جسم کے مخصوص حصے پر ایک گہرا اثر ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر دماغ کے تین حصے ہوتے ہیں۔ (1) عقبی دماغ (Hind-Brain)۔ (2) درمیانی دماغ (Mid-Brain)۔ (3) بالائی دماغ (Fore-Brain)۔ ہر حصے کے اپنے اپنے وظائف ہیں جن کی ایک طویل فہرست ہے۔ یہاں پر اتنی معلومات پر ہی اکتفا کرنا مناسب رہے گا۔

انسانی سوچ کا تعلق بھی دماغ سے ہے کیونکہ بنیادی طور پر یہ ایک ذہنی عمل ہے۔ ہمارے ہاں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام طلبہ کی سوچ کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ ان کی یادداشت کو فروغ دیتا ہے۔ بات کافی حد تک درست ہے مگر سوچ کے عمل کو یادداشت سے مکمل طور پر علیحدہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یادداشت سے مراد ماضی میں سیکھے ہوئے مواد کو دہرانا ہے۔ جبکہ سوچ میں اسی مواد کو نئے سرے سے ترتیب دینا ہوتا ہے۔ لہٰذا سوچ اور یادداشت کا آپس میں گہرا تعلق بھی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فرد بیک وقت ادراک، یادداشت، سوچ، محرکات اور کئی دوسرے ذہنی و نفسیاتی اعمال انجام دیتا ہے۔ ماہرین نفسیات نے سوچ و فکر کی مختلف انداز میں تعریف کی ہے، لیکن ان کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ سوچ ایک اندرونی ذہنی عمل ہے جس میں چیزوں اور واقعات کو مختلف انداز میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ سوچ ایک داخلی عمل ہے جو فرد کے ماضی کے تجربات، موجودہ حالات اور اندرونی کیفیات سے متعین ہوتی ہے۔ ہمارے ذہن میں ہر وقت مختلف خیالات یا تصورات کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق ہم سوچنے کے عمل کے دوران ذہنی تصورات یا تصاویر اور تمثال (Images)، الفاظ اور تعقلات (Concepts) استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ تمثال، الفاظ اور تعقلات سوچ کے آلات (Tools) کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ایک فرد انہی کے ذریعے سوچتا ہے۔ تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ چھوٹے بچوں کی سوچ میں تمثال (Images) کا زیادہ دخل ہوتا ہے جبکہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ الفاظ اور تعقلات زیادہ اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ دیکھی ہوئی اشیاء کی خیالی تصاویر بنانے کو بصری متخیلہ (Visual Images) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح سنی ہوئی آواز کو ذہن میں لانا سمعی متخیلہ کہلائے گا۔ اسی طرح سونگھنے، چکھنے اور محسوس کرنے کے بھی متخیلہ ہوتے ہیں۔ ان متخیلہ کی باقاعدہ پیائش سب سے پہلے فرانسس گالٹن نے کی تھی۔

تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مختلف افراد میں مختلف قسم کے متخیلہ زیادہ واضح ہوتے ہیں۔ مثلاً اعلیٰ پائے کے مصور،

ماہر تعمیرات، ڈیزائنرز، ناول نگار اور شاعری میں بصری متخیلہ بہت ترقی یافتہ ہوتا ہے۔ اسی طرح موسیقاروں کو کوئی دُھن تشکیل دینے کے لئے پہلے سے اس کی تصویر ذہن میں بنانی پڑتی ہے۔ سوچ اور زبان کے باہمی تعلق کے بارے میں مختلف نظریات سامنے آئے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ زبان اور سوچ ایک ہی چیز ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ سوچ، زبان سے متعین ہوتی ہے۔ جبکہ تیسرے گروپ کے مطابق زبان، سوچ سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور چوتھے کیمپ والوں کا موقف ہے کہ سوچ اور زبان کے مآخذ ہی مختلف ہیں۔ رفیق جعفر نے اس بحث کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے۔ ''سوچ اور زبان کے متعلق مختلف نظریات پڑھ کر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ زبان اور سوچ میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ لیکن سوچ کا صرف زبان پر انحصار نہیں ہے۔ بلکہ زبان کے بغیر بھی سوچ ممکن ہے۔ البتہ بالغ افراد کی سوچ میں زبان کا زیادہ دخل ہے اور یہ سوچنے اور خیالات کا اظہار کرنے کے لئے سب سے اہم ذریعہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ذہن سوچ اور خیالات سے خالی نہیں رہتا۔ لیکن بدھ مت میں سب سے بڑی منزل 'نروان' (Naught) کو سمجھا جاتا ہے۔ نروان ایک ایسی ذہنی حالت ہے جس میں نہ انسان کچھ محسوس کرتا ہے نہ سوچتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے معدومیت (Annihilism) بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن شہزاد احمد کے نزدیک ایسا کرنا ممکن نہیں کیونکہ ''برگسان یہ ثابت کر چکا ہے کہ ذہن کسی لمحے میں بھی پوری طرح خالی نہیں رہتا۔ یا تو ہم کچھ محسوس کرتے ہیں یا سوچتے ہیں یا کچھ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یا عملی طور پر کچھ کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے معدومیت کسی وقت بھی ذہن میں عمل پیرا نہیں ہو سکتی۔ جدید نفسیات بھی برگسان کے اس دعویٰ کو ثابت کرتی ہے''۔

تصورِ متخیلہ (Imagination) وہ ذہنی عمل ہے جس کے ذریعے حسیاتی مواد کی مدد کے بغیر اشیاء یا واقعات کو تخلیق کیا جاتا ہے۔ متخیلہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ مستقبل کو نظر میں رکھتے ہوئے نئی اشیاء بنائی جائیں یا آرزومندانہ فکر کے زیر اثر علو آمیز نئی اشیا ذہنی سطح پر تخلیق کی جائیں۔ متخیلہ مختلف اشیاء کو یک جا کر کے نئی اشیاء تخلیق کرنے پر بھی قادر ہے۔ مثلاً دھڑ شیر کا اور چہرہ عورت کا۔ تعقلات (Concepts) سے مراد قیاس، تخیل یا تصور کرنا ہے۔ فرض کریں کہ ہم تصورات قائم کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں جب ہم بلی کو دیکھیں گے تو اسے ہم ''الف'' سمجھ سکتے ہیں۔ جب کسی اور بلی کو دیکھیں گے تو اسے ''ب'' سمجھ سکتے ہیں اور اسی طرح 'ج'، 'د' وغیرہ۔ ہمیں بلیوں میں کوئی مشترک بات نظر نہیں آئے گی اور ہر دفعہ سوال کرنا پڑے گا کہ یہ کیا ہے؟ اس طرح ہماری یادداشت پر ناقابل برداشت بوجھ پڑے گا۔ مگر جب ہم مختلف ہیجانات جن کی کچھ خصوصیات مشترک ہوں، ایک گروہ بنا کر ان سب کے لئے ایک ہی ردِعمل پیش کرتے ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے تعقل قائم کر لیا ہے۔ یعنی مختلف ہیجانات کے مشترک ردِعمل کو تعقل کہتے ہیں۔ کسی بھی تعقل کو قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم چیزوں یا واقعات کی مشترک خصوصیات کا ادراک کر سکیں، انہیں مخصوص چیزوں سے الگ کر سکیں، ان کی گروہ بندی کر سکیں اور اس گروہ بندی کو کسی ایسی نئی چیز پر لاگو کر سکیں جس میں یہ خصوصیات موجود ہوں۔ مثلاً ایک چھوٹا سا جانور جس کی چار ٹانگیں، دو آنکھیں، دو کان، ایک دم اور رعب دار مونچھیں نیز 'میاؤں' کی آواز بلیوں کی مشترکہ

خصوصیات ہیں۔ جب ہم نے بلی پن کی مشترکہ خصوصیات کا ادراک کر لیا تو تعقل قائم ہو گیا اور ہم کسی کالی یا سفید بلی کو پہلی بار دیکھ کر اسے بلی ہی سمجھیں گے۔

جبلت (Instinct) کردار کا ایک پیچیدہ نظام ہے اور اس کی صورت گری وراثت سے ہوتی ہے اور یہ نظام ایک ہی نوع کے افراد میں موجود ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کردار کا اظہار ارد گرد کے محرکات کی وجہ سے اپنی صورت تبدیل کرتا ہے مگر اس کا بنیادی ڈھانچہ فرد کی تعلیم و تربیت اور تجربات پر منحصر نہیں ہے' پرندوں کے نغمات اور کیڑے مکوڑوں کا پیچیدہ کردار (جیسے شہد کی مکھی) اس قسم کی خاص اور واضح مثالیں ہیں۔ نفسیات کے حوالے سے یہ ایک نہ سیکھا ہوا کرداری نمونہ ہے جو نامیہ کی عمر کے کسی خاص حصے میں' اپنی مکمل صورت میں بروئے کار آتا ہے۔ تحلیل نفسی والے اس کا انحصار قدیم پیدائشی انگیختوں (Derives) پر کرتے ہیں جو اِڈ (ID) بھوک پیاس اور جنس وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ یہ فرد کے اندر کھنچاؤ اور غیر مسرت۔ (tension and Unpleausre) پیدا کرتی ہیں۔ لیکن جب ان کی تشفی ہو جائے تو مسرت پیدا ہوتی ہے۔ فرائڈ نے جبلتِ حیات اور جبلتِ مرگ میں امتیاز کیا ہے۔ اس موضوع پر آگے بات ہوگی۔

ہپناٹزم یا تنویم (Hypnotism) نے پہلی بار اٹھارویں صدی کے آخر میں لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی' اس وقت آسٹریا کا ایک طبیب (Anton Mismer) اس خیال سے متاثر ہوا۔ اس کے ہم عصر علوم اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ فضاء میں اک بہت ہی ہلکا مادہ ایتھر (Ether) موجود ہے۔ اور یہ دلیل دی جاتی تھی کہ انسان کی اچھی صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کے جسم کے اندر ایتھر صحیح طریقے سے گردش کرتا ہو۔ کچھ لوگوں کو یہ ملکہ حاصل تھا کہ وہ اپنے ہاتھ جب جسم پر پھیریں تو ایتھر کی گردش میں باقاعدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے مقناطیس سے لوہے کے ذرات کی ترتیب بدل جاتی ہے۔ اگرچہ پیرس کا ایک گروہ اسے گروہی فریب نظر کہہ کر رد کر چکا تھا۔ تاہم مسمر کا یہ نظام جسے حیوانی مقناطیسیت یا مسمرازم کہا جاتا ہے اس زمانے میں بڑا مقبول ہوا۔ یاد رہے کہ ایتھر کے تصور کو آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت نے ختم کر دیا تھا۔ ڈاکٹر ایلیٹ سن نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کو ہسٹیریا اور سرجری اپریشن میں بے ہوشی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ 1831ء میں مانچسٹر کے سرجن نے مسمرازم کو ہپناٹزم کا نام دیا تھا۔ اس نے تنویمی ایعاز (Hypnotic Suggestion) کی بھی بات کی تھی اور یوں اس کو انسان کی قوت متخیلہ سے متعلق کر دیا تھا۔ 1878ء میں ایک فرانسیسی ماہرِ فعلیات شارکوٹ پیرس میں ہسٹیریا کے مریضوں پر کام کر رہا تھا۔ اُس کا استدلال تھا کہ تنویمی حالت دماغی خلل سے ہوتی ہے۔ مسمرازم نے ہم عصر نظریۂ علاج کو ہلا کر رکھ دیا تھا جس کی وجہ سے طبیبوں کی روزی متاثر ہو گئی تھی۔ تاہم بیسویں صدی تک ڈاکٹروں کی معاشرتی اور پیشہ ورانہ حیثیت محفوظ ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مخالفت ترک کر کے 1893ء میں ہپناٹزم کو بطور ایک طبی طریقۂ علاج قبول کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حافظ غلام مرشد مرحوم، سابق خطیب شاہی مسجد لاہور

قسط سوم

# علامہ اقبالؒ سے سعادت مندانہ ملاقاتیں

(مولانا) حافظ غلام مرشد تحریکِ پاکستان کے ان بلند مرتبت کارکنوں میں سے تھے جنہیں علامہ اقبال اور قائداعظم علیہم الرحمتہ کا اعتماد اور تقرب حاصل تھا۔ تحریکِ پاکستان کی حمایت میں جب جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا تو مولانا شبیر عثمانی کی علالت کے باعث قائداعظمؒ نے غلام مرشدؒ کو اس علماء اسلام کانفرنس کے افتتاحیہ خطبہ دینے کے لئے منتخب کیا۔ (مولانا) غلام مرشد نے پچاس سال تک لاہور میں درسِ قرآنِ کریم دیا۔ ذیل میں علامہ اقبالؒ سے ان کی چند ملاقاتوں کا احوال درج کیا جا رہا ہے جو انہوں نے قلم بند کرائی تھیں اور کئی عشرے پہلے فنون اور نقوش میں شائع ہوتی رہیں۔ (مدیر)

چنانچہ حضورؐ کی بات سچی ہوئی تھی۔ (تاریخ کے مطابق) عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے حضورؐ کی رد کی ہوئی تجویز کے مطابق کعبے کو تعمیر کیا تا کہ لوگوں میں انہیں مقبولیت حاصل ہو۔ انکی فرضی مقبولیت کو حجاج بن یوسف نے خاک میں ملا دیا جہاں وہ تحریک ختم ہوئی وہاں ان کی بنائی ہوئی کعبے کی عمارت بھی ختم ہوگئی، اور اس نے اس شکل میں اس کی تعمیر کرائی جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جس کی شکل بدلنے سے پرہیز فرمایا تھا۔ اب تک موجود ہے۔

اس پر خاکسار نے یہ بھی عرض کیا کہ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ خاکسار کو دارالعلوم نعمانیہ ہند کی انتظامیہ کی طرف سے اس تقریر کی تردید کرنے کو کہا گیا خاکسار نے خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے نوٹس کی پشت پر لکھ دیا کہ آپ میرا استعفیٰ منظور فرمائیں۔ چنانچہ استعفیٰ منظور ہوگیا۔ اور میں ان طلبہ کو ساتھ لے کر بھاٹی دروازہ کی اونچی مسجد میں آ گیا۔ بھاٹی دروازے کے مخیّر لوگوں نے ان کے لئے کتابیں مہیا کر دیں اور ان کے قیام اور طعام کا بھی بندوبست کر دیا۔ جنہیں یہاں باقاعدہ درس دیا گیا۔ جو کورس رہ گیا تھا اس کو مکمل کرنے کے لئے یہاں درس دیا گیا۔ علامہؒ نے فرمایا کہ آپ نے اپنے مستقبل کا کیوں خیال نہیں کیا۔ خاکسار نے حضرت علامہؒ کی ہمدردی کے اظہار پر عرض کیا کہ جو مسبب الاسباب مجھے چند روزہ زندگی عطا کرے گا۔ میری ضروریات کا بھی بندوبست فرمائے گا۔ ان الفاظ پر یہ پانچویں ملاقات ختم ہوئی۔

(۶) جب گاندھی جی سمیت ہندو اکابر کی فریب کاریوں سے ہندو مسلم اتحاد کا تاج محل زمین بوس ہوگیا۔ اب وہی بزرگ اسی فریب کاری کے محل کا میٹیریل جو تھا شدھی اور سنگھٹن کے تخریب کارانہ اوزار سے ریزہ ریزہ کر رہے تھے اور ملک گیر فسادات کا سلسلہ جاری تھا۔ اس فتنہ پردازی کو مزید فروغ دینے کے لئے ایک طرف ہندو پریس اس ریزہ ریزہ شدہ میٹیریل سے اپنی زمین کو پاک کرنے کے

لئے آمادہ کرتا رہتا تھا۔ وہ لگاتار ایڈیٹوریل مسلمانوں کے خلاف لکھتے تھے یہ جو مکے سے آئے ہیں وہ مکے جائیں ان کا ہندوستان میں کیا کام ہے۔ مسلمانوں کا نام انہوں نے ملیچھ قوم رکھا ہوا تھا اور شودروں سے بھی ان کو حقیر تر سمجھتے تھے اور اسی پریس میں ان کے لیڈروں کے زہریلے بیانات اسی قسم کے شائع ہوتے تھے۔ دوسری طرف فتنہ انگیز اشتہاروں، پمفلٹوں اور رسالوں کی شکل میں بے پناہ زور سے پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا۔ جن میں سے رنگیلا رسول اور ورتمان وغیرہ کی دل آزارانہ روش کی بدولت انگریز کو ان کی ضبطی کے احکام بھی بادل نخواستہ جاری کرنے پڑے اور پورے پنجاب میں خصوصاً ہندوؤں کے خلاف ایجی ٹیشن غیر منظم طریق پر شروع ہو گیا۔ جس میں مجلس احرار اسلام پیش پیش تھی علامہ اقبال پنجاب کونسل کے ممبر بھی ہو چکے تھے۔ وہ تو کونسل کی ممبری سے قبل بھی ہزار عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور بڑے بڑے سرکردہ مسلمان ان کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کی اس دل آزارانہ کتاب رنگیلا رسول اور اس کے خلاف کی گئی غیر منظم ایجی ٹیشن کو کنٹرول کرنے کے لئے معززین کی ایک جماعت کو بلایا۔ جن میں بڑے بڑے سرکردہ خطابات یافتہ وکلاء اور جج صاحبان کے علاوہ علمائے کرام بھی تھے۔ خاکسار کو بھی اس محفل میں شرکت کے لئے بلایا۔ محفل میں حضور ﷺ کی عزت واحترام کو قائم رکھنے کے لئے اور آپؐ کی عزت وناموس پر حملہ کرنے والوں کے خلاف استغاثہ دائر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ خاکسار نے پوری خاموشی کے ساتھ ان کے اس فیصلے کو سنا مگر آپؒ نے اپنی خاص کرم نوازی سے خاکسار کو کہا کہ بدو صاحب آپ کیوں نہیں بولتے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ مجلس مشاورت کے معززین کے احترام کا تقاضا ہے کہ میں کچھ نہ بولوں۔ مگر آپؒ نے اصرار فرمایا کہ آپ کو بولنا پڑے گا۔ خاکسار نے ان کی اور ان کی بلائی ہوئی محفل کا احترام کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا ان بزرگوں اور علمائے کرام نے اس ملعون کتاب کا پوری طرح سے مطالعہ فرمالیا ہے؟ ہندوؤں کی ملعون جماعت کے ملعون نمائندے نے اس کتاب میں بھی بڑی فریب کاری کی ہے۔ کیونکہ اس اس کتاب میں تمام حوالہ جات مسلمانوں کی کتابوں سے دیئے ہیں اور استغاثہ میں آپ بزرگوں کی طرح باقی تین جماعتوں کو جو ''قانونی'' طور پر مسلمان کہلاتی ہیں ان کے نمائندوں کے دستخط بھی ہونا چاہئیں۔ ورنہ وہ سرمایہ دار ہندو قوم ان جماعتوں کے مسلمانوں کو صفائی کے طور پر شہادت پیش نہ کر دیں۔ اس پر علمائے کرام کچھ ناراض ہوئے کہ ہم تو ان مسلمانوں کا فر سمجھتے ہیں خاکسار نے عرض کیا کہ وہ بھی آپ کو کافر سمجھتے ہیں اور یہاں جو اہل حدیث، دیوبندیوں، بریلویوں اور شیعوں کی طرف سے نمائندہ کے طور پر موجود ہیں۔ ان کے خود ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے موجود ہیں۔ آپؒ نے مجھے حکم دیا کہ ابھی استغاثہ ان بزرگوں کے مشورے سے تیار ہوتا ہے جس پر ان کے دستخط ہوں گے آپ ان جماعتوں کے نمائندوں کے دستخط خود کرائیں۔ خاکسار نے ہامی بھر لی، چنانچہ اس طرح استغاثہ مکمل ہو کر اس دور کے مروجہ طریق کار کے مطابق مسٹر فیل بوتھ (اینگلو انڈین) مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا۔ استغاثہ دائر ہونے کے بعد اس استغاثے کے بارے میں کئی دفعہ شرف باریابی حاصل ہوا۔ اور وہ حضور اکرم ﷺ کی محبت میں پوری طرح مست ہو کر زار وقطار روتے تھے۔ میں نے عرض کیا ''آپ غیر معصوم بزرگوں کی تحریروں سے

متاثر ہو کر کب تک آنسو بہاتے رہیں گے۔ یہ تو آوے کا آوا ہی خراب ہے۔ آپ کا فرض تھا جو اس ملعون مصنف کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا اب فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے اور معجز نمائی کرنا خدا کا کام ہے''۔ استغاثے کی طرف سے شیخ محمد نصیب ایڈووکیٹ کو منتخب کیا گیا۔ آپؒ کے حکم اور اصرار پر خاکسار نے عرض کیا کہ وکیل صاحب کا دل بھی حضور کی عزت و احترام سے بھرا ہوا ہے۔ ملعون راجپال نے اپنی صفائی کا بیان دیتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے اس کتاب میں تو اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ مسلمانوں کی مستند کتابوں کے حوالے دیئے ہیں اور صفائی کے گواہوں کی فہرست پیش کی جن میں سب سے زیادہ معزز گواہ اس نے پنڈت رام چندر دہلوی کو بنایا اس کے لاہور اسٹیشن پہنچنے پر ہندو زعما نے اس کا بڑی عزت سے استقبال کیا دوسرے دن اس کی شہادت ہونی تھی۔ شیخ محمد نصیب صاحب گورداسپوری نے علامہ رحمتہ اللہ کے حکم کے مطابق رات کا بیشتر حصہ اس مقدمے کی روئیداد کے بڑے بڑے حصوں کو میرے سامنے پیش کرنے میں گزارا اور صفائی کے گواہوں پر جرح کرنے کے وجوہ دریافت کئے خاکسار نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضورؐ کے عشق میں مست ہو کر یہ بات کہہ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے اس عشق و محبت کو قائم رکھے لیکن جرح کے وجوہ تو صفائی کی شہادتوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ آپ پہلے ہی کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ چنانچہ دوسرے دن شیخ محمد نصیب صاحب کے ساتھ خاکسار بھی اجازت لے کر عدالت میں پیش ہوا۔ عدالت نے اپنی روٹین کے مطابق کارروائی شروع کی۔ پنڈت رام چندر نے شہادت شروع کرنے سے قبل اپنے تعارف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے خاکسار نے ان کو چٹ پر لکھ کر یہ سوال دیا کہ آپ بتائیں کہ تمام مسلمان فرقوں کی مستند مسلم کتاب کون سی ہے۔ اس پر خدا کی طرف سے اس زبان سے عدالت کے سامنے یہ لفظ نکلوا دیا کہ تمام فرقوں کی مستند کتاب قرآن ہے اور عدالت نے یہ الفاظ ریکارڈ کر لئے ضمنی سوالات شیخ محمد نصیب صاحب کی طرف سے میں نے چٹ لکھ کر یہ کروائے کہ مسلمانوں کی مستند کتابیں تو بہت سی ہیں جن میں سے بعض کے حوالے رنگیلا رسول میں موجود ہیں۔ لیکن دوسرے فرقے انہیں مستند نہیں مانتے تمام فرقوں کی مستند کتاب صرف قرآن ہے عدالت نے یہ جواب بھی ریکارڈ کر لیا۔ تیسرا یہ سوال چٹ پر لکھ کر ان کے حوالے کیا کہ یہ رنگیلا رسول اور یہ قرآن پاک ہے۔ آپ ثابت کریں کہ اس مستند کتاب (قرآن) میں یہ لغو اور لچر باتیں موجود ہیں۔ پھر بھی اس کی زبان سے خدا نے نکلوا دیا کہ اس کی پہلی سطر سے آخری سطر تک کسی آیت میں ان الزامات میں سے کسی ایک الزام کا بھی ذکر نہیں۔ خدا کی اس معجز نمائی کے نتیجے میں عدالت نے راج پال کو مجرم قرار دیا اور چھ ماہ کی سزا دی یہ تھا ایک ملاقات کا پس منظر۔

دوسرے دن جہاں ہندو اخباروں نے اس فیصلے کو شائع کیا۔ وہاں خاکسار کے خلاف جو کچھ وہ لکھ سکتے تھے انہوں نے لکھا وہاں مسلمانوں میں سے محترم سید حبیب صاحب نے اپنے اخبار سیاست میں بھی مجھ پر اپنی کرم نوازی کے پھول برسانے میں کمی نہ کی اور خاکسار کو چکڑالوی کے لقب سے نوازا۔ چنانچہ یہ زریں اخبار علامہؒ کے مطالعہ میں آیا۔ تو آپ نے اپنے معزز نمائندے کے ذریعے مجھے کہلا بھیجا اور اس فیصلے پر ان کو بے پناہ مسرت حاصل ہوئی تھی۔ سید صاحب کی گل فشانی اور ذرہ نوازی پر فرمایا کہ ہمیشہ سے یہ دستور

چلا آرہا ہے کہ حق گوئی کے بدلے میں بیگانوں نے بڑھ کر اپنے لعنت کے تیر برسائے ہیں۔ دستور کے مطابق ان فریب کار سرمایہ دار ہندوؤں کے ایجنٹ کی طرف سے ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی اور غیر مسلم بنچ نے راج پال کو بری کر دیا۔ اس کے بری ہونے پر پھر ایجی ٹیشن شروع ہو گیا۔ اس دوران میں ایک غریب طبقے کے مسلمان نے حضور ﷺ کی عزت واحترام سے بھرپور ہو کر ملعون راج پال کو دن دہاڑے اس کی دکان پر قتل کر دیا۔ اس نوجوان کا نام علم الدین تھا۔ چالان ہوا مگر وہ عاشق رسول ابتدائی عدالت سے لے کر عدالت عالیہ تک راج پال کے قتل کے الزام کو صحیح تسلیم کرتا رہا۔ نہ اپنے بے سہارا رشتہ داروں کی بے چارگی سے متاثر ہوا اور نہ اکابر سے اکابر سے اکابر ترین وزرا کے مشوروں کی پروا کی۔ بالآخر ۱۹۲۹ء میں میانوالی جیل میں پھانسی کی شکل میں سزا پائی۔ مسلمانوں کا اصرار تھا کہ اس کی لاش کو لاہور لایا جائے۔ مگر پنجاب کی سرکار کو نقض امن کا شدید ترین خطرہ تھا مگر سر میاں شفیع مرحوم نے اپنی ذاتی ضمانت کی بنا پر گورنر کے دل میں جو خطرہ تھا اسے دور کر دیا اور وہ اپنی اس ذاتی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ شہید علم الدین کی میت پوری شان وشوکت اور عزت واحترام اور پورے امن وامان کے ساتھ قبرستان میانی میں دفن کر دی جو اب تک زیارت گاہِ خواص وعوام ہے۔

(۷) علم الدین شہید کی تدفین کے بعد علامہ اقبالؒ نے اپنے تاریخی خطبات کی ترتیب وتدوین کے سلسلے میں کئی بار خاکسار کو نہ صرف اپنی ملاقات کا شرف بخشا بلکہ ان کے بعض حصے سنانے سے بھی عزت افزائی فرمائی اور حضرت امام اعظمؒ کے طریق استحسان کی کچھ تفصیلات' ماہیت' کیفیت' کمیت اور حالات کا جو ہمیشہ بدلتے رہتے۔ کوئی متعین ضابطہ نہیں مقرر فرمایا مثال کے طور پر آپ (سورۃ نمبر ۴۲ کی آیت نمبر ۴۰) ملاحظہ فرمائیں اور اس کے ساتھ مجلس شوریٰ کو ہر دور میں بدلے ہوئے حالات کے ماتحت قائم رکھنے کا حکم دیا (سورۃ نمبر ۴۲ آیت نمبر ۳۸ پارہ ۲۵ رکوع ۵ اور سورۃ نمبر ۳ کی آیت نمبر ۱۵۸ پارہ ۴ رکوع ۸) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں بے حد دیانت دار اور قرآن شناس مجلس شوریٰ سے مشورہ لینے کا حکم دیا اور جنگ بدر سے لے کر حجۃ الوداع تک اس معزز مجلس شوریٰ سے مشورہ لیتے رہے اور ان کی بار بار شاباش لینے سے خاکسار کو اپنی تعلیم کو اور زیادہ مکمل کرنے کا موقع ملا۔ ان ملاقاتوں کے علاوہ اہم ترین ملاقات وہ ہے۔ جو اشاعت اسلام کالج کے نام سے انجمن حمایت اسلام کی تاریخ میں موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ وائسرائے کی کونسل کے معزز ممبر سید غلام بھیک نیرنگ نے شدھی ارسنگھٹن کی تحریک کو بے اثر بنانے کے لئے تبلیغ کی ایک انجمن انبالہ میں قائم کی اور علامہ کے سامنے عرض کیا کہ ان قدیم درس گاہوں کے سند یافتہ لوگ اس مردود تحریک یعنی شدھی کو ختم نہیں کر سکتے۔ اس تحریک کے ہشیار پنڈتوں نے رنگیلا رسول ایسی ملعون کتابیں جو لکھی تھیں اور یورپ کے مستشرقین نے جو دل آزار کتابیں لکھی تھیں ان سے کام لے کر ان کی پیش کی گئی ہوئی حدیثوں کو پیش کرتے ہیں اور ہمارے بزرگ انہیں تسلیم کر کے قسم قسم کی تاویلیں کرتے ہیں۔ جو الٹا عام مسلمانوں کے شکوک میں اضافے کا موجب ہوتی ہیں۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

ادارہ

# روئیداد طلوع اسلام سالانہ کنونشن

(منعقدہ 22'23 نومبر 2014ء)

ہمارا حوصلہ دیکھو، ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں
جہاں بھونچال بنیادِ فصیل و در میں رہتے ہیں

سرزمین پاکستان میں نظریاتی انتشار اور فکری خلفشار کے نتیجے میں جو بربادی ہو رہی ہے اس سے ہر دِل دردمند نہ صرف مضطرب ہے بلکہ اس اضطراب کا کوئی علاج بھی چاہتا ہے۔ اجتماعی طور پر ہماری قوم کے دل کی آواز ہے کہ ہماری سیاہ بختی کی وجہ بتائی جائے اور اس سے بچ نکلنے کا راستہ بھی۔ اس تناظر میں تحریک طلوع اسلام وہ بنیاد کا پتھر ہے جو اگرچہ سطح بین نگاہوں کی توجہ حاصل نہیں کر سکی لیکن اہل فکر و نظر جانتے ہیں کہ اگر اس بنیاد کی اینٹ پر عمارت کھڑی نہ کی گئی تو ہمارا ''آئندہ'' اس سے بھی تاریک تر ہوتا چلا جائے گا۔ طلوع اسلام کے سالانہ کنونشن اس دبیز اندھیرے میں ایک ننھی سی شمع روشن کرنے کی تدبیروں کی ایک کڑی ہے جس میں اندرون و بیرون ملک سے اہل دانش شرکت کرتے ہیں اور اس کے اجلاس متانت اور سنجیدگی کے ساتھ بغیر ہنگامہ آرائی اور نعرہ بازی کے منعقد ہوتے ہیں۔

اس سال مندوبین کی رہائش اور بزم ہائے طلوع اسلام کے اجلاسوں کے لئے 25 بی گلبرگ 2 میں انتظام کیا گیا تھا۔ 21 نومبر کی شام ہی کو شمعِ قرآنی کے پروانے لاہور پہنچنا شروع ہو گئے۔ 22 نومبر کو پہلا اجلاس صبح 10.00 بجے شروع ہوا جس میں ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین محترم اکرم راٹھور صاحب کی زیر صدارت تمام بزموں کے نمائندگانِ محترم اور اراکین بزم ہائے طلوع اسلام نے شرکت کی۔ تلاوتِ قرآنِ کریم کے بعد اجلاس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا جو طے شدہ ایجنڈا کے مطابق آگے بڑھتا رہا تا آنکہ ظہر کی نماز اور دوپہر کے کھانے کا وقت آن پہنچا۔ اس اجلاس کی کارروائی کی رپورٹ الگ سے تمام بزم ہائے طلوع اسلام کو ارسال کر دی گئی ہے۔ دوسرا اجلاس 22 نومبر ہی کی سہ پہر کو شروع ہوا جس میں منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ نے بزم ہائے طلوع اسلام کے اشتراک سے آئی ٹی کے شعبہ میں مکمل شدہ اور جاری پراجیکٹس کی تفصیل سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ نیز انہوں نے بتایا کہ پرویز صاحب کی کتب کو کمپیوٹر کمپوزنگ کے مراحل سے گذار کر جدید انداز میں شائع کیا جا رہا ہے۔ Islamicdawn.com کے نام سے ٹرسٹ کی ویب سائٹ پر کام جاری ہے جو جلد ہی تکمیل پذیر ہو جائے گا۔ ان کی پریزنٹیشن مغرب کی اذان سے کچھ دیر پہلے تک جاری رہی۔ بعد ازاں نمازِ مغرب اور چائے کا وقفہ ہوا۔

22 نومبر 2014ء کی شام کا تیسرا اجلاس بعد از نماز مغرب شروع ہو چکا تھا۔ اس اجلاس میں محترم محمد اقبال صاحب نمائندہ بزم کراچی صدر نے اپنی بزم کے آئی ٹی کے شعبہ میں اپنے جاری اور مکمل شدہ پراجیکٹس کا تفصیلی تعارف ملٹی میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے حاضرین مجلس کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ بزم کراچی صدر کے زیر اہتمام تمام دروس کی ویڈیو کا سائز حیران کن حد تک کم کر لیا گیا ہے۔ اب تمام ویڈیو دروس القرآن موبائل فون میں استعمال ہونے والے ایک میموری کارڈ میں منتقل کر کے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اب اس قرآنی خزانے کو نہایت سہولت کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے انہوں نے چند میموری کارڈز حاضرین کی خدمت میں بھی پیش کئے۔ محمد اقبال صاحب نمائندہ بزم کراچی صدر نے مزید بتایا کہ انہوں نے بزم کے زیر اہتمام فیس بک کا استعمال بھی شروع کیا ہے جس پر پرویز صاحب کے مختلف دروس میں سے منتخب کر کے چھوٹے چھوٹے کلپس اور ان کی تحریروں کے اقتباسات شیئر کئے جاتے ہیں جن کا بہت کم وقت میں بہت اچھا

رسپانس آ رہا ہے۔ اس کے علاوہ مفہوم القرآن فون ایپلیکیشن بھی تیاری کے مراحل میں ہے۔ سب سے اہم کام آئی ٹی کے شعبہ میں جو ہوا ہے وہ ''مفہوم القرآن سافٹ ویئر'' کی تیاری ہے۔ جن پر 70% فیصد کام مکمل ہو چکا ہے۔ باقی کام آئندہ چند ماہ میں تکمیل پذیر ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بتایا کہ کس طرح لغات القرآن جیسی بڑی ضخیم کتابوں کو کمپوز کرنا ان کی پروف ریڈنگ کے مراحل سے گزر کر ان کو ایک پروگرامنگ میں پرویز صاحب کے ''مفہوم القرآن'' کو ''لغات القرآن'' اور ''ایکسپوزیشن آف دی ہولی قرآن'' کو آپس میں لنک کر دیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن کے کسی ایک لفظ کو سرچ کرنے سے اس لفظ سے متعلق تمام لٹریچر چند سیکنڈز میں سامنے آ جاتا ہے۔ اس سافٹ ویئر سے قرآن کے عام قاری سے لے کر محققین تک استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ''مفہوم القرآن'' کے نام سے ڈومین بھی ہائر کیا جا چکا ہے۔ اور یہ ویب سائٹ چند ماہ بعد باقاعدہ طور پر لانچ کر دی جائے گی جس سے اِس کرۂ ارض پر موجود لاکھوں کروڑوں افراد استفادہ کر سکیں گے۔ محترم اقبال صاحب نے بتایا کہ پرویز صاحب کے تمام دروس القرآن کی ریکارڈنگ کو' کوالٹی لُوز کئے بغیر' ماڈی فائی کر لیا گیا ہے۔ انہوں نے ''مفہوم القرآن سافٹ ویئر'' اور دیگر بہت سے پراجیکٹس کے فیچرز سمجھانے کے لئے ملٹی میڈیا کا استعمال خوبصورت طریقے سے کیا۔

22 نومبر کا آخری اور چوتھا اجلاس ''تخلیق کائنات کے چھ ادوار'' کے عنوان سے لیکچر پر مشتمل تھا۔ محترم پروفیسر ڈاکٹر صدیق اکبر صاحب نے یہ لیکچر ایک چارٹ کے ذریعے' ملٹی میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے دل کش انداز میں پیش کیا۔ ان کا یہ مفصل اور پُر مغز لیکچر نہایت محنت سے مرتب کیا گیا تھا۔ انہوں نے قرآنِ کریم کے چھ ایام میں کائنات تخلیق کرنے کے موضوع پر تقریباً دو گھنٹے تک گفتگو کی۔ ان کے لیکچر کے بعد حاضرین مجلس کو ڈنر کی دعوت دی گئی۔ ڈنر اور چائے کے بعد تمام قرآنی احباب پھر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ گئے اور رات گئے تک مختلف قرآنی موضوعات پر آپس میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔

23 نومبر کی صبح ناشتہ کے بعد سیمینار کا پروگرام قریب ہی ایک ہال میں منعقد کیا جانا تھا۔ تقریباً 10 بجے صبح ہال کھچا کھچ بھر چکا تھا اور محترم محمد عمر صاحب نے مائیک سنبھالتے ہوئے سوات سے تشریف لائے مولانا غلام رحمان صاحب کو تلاوتِ قرآن کے لئے دعوت دے دی۔ اس کے بعد محترم اکرم راٹھور چیئرمین ادارہ طلوع اسلام نے خطبۂ افتتاحیہ پیش کیا اور بعد میں مختلف مقررین کے اظہارِ خیال کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو صدرِ مجلس محترم ڈاکٹر انعام الحق صاحب کے صدارتی خطبہ کے ساتھ سہ پہر تین بجے اختتام پذیر ہوا۔ محترم ڈاکٹر انعام الحق صاحب نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ تمام مقررین کے خطابات کا مختصر تجزیہ پیش کرتے ہوئے سیمینار کے اختتام کا اعلان کیا۔ بعد ازاں محترم محمد عمر صاحب نے لذتِ کام و دہن کا مژدۂ جان فزا سنایا۔ (اِس سیمینار کے چند ایک خطابات اِس شمارہ میں شامل ہیں)۔

دو روزہ پُر بہار سرگرمیوں سے معمور یہ اجتماع 23 نومبر کی رات کو اختتام پذیر ہوا۔ پُر خلوص دعاؤں اور دوبارہ ملنے کی شدید تمناؤں کے ساتھ یہ اجتماع اس آرزو کے ساتھ ختم ہوا:۔

وداع و وصل جدا گانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا!

جسے صوفی تبسم نے پنجابی کا لبادہ کچھ اس طرح پہنایا:

بھاویں ہجر تے بھاویں وصال ہووے وکھو وکھ دُوواں دیاں لذتاں نیں

کنونشن اور سیمینار کی تصویری رپورٹ اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔

☆.....☆.....☆

# اجلاس جنرل کونسل

منعقدہ 22 نومبر 2014ء

# پریزنٹیشن: محمد اقبال صاحب (نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر)

# رپورٹ طلوع اسلام ٹرسٹ از منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

# دو تخلیقی کائنات کے چھ ادوار" لیکچر از ڈاکٹر صدیق اکبر

# سیمینار منعقدہ 23 نومبر 2014ء

محمد عمر نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے

غلام الرحمٰن تلاوتِ قرآن کے دوران

محمد اکرم راٹھور خطبۂ افتتاحیہ دیتے ہوئے

خورشید انور اظہارِ خیال کرتے ہوئے

صالحہ نغمی مقالہ پڑھتے ہوئے

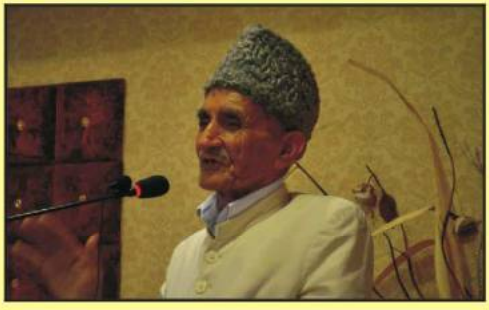

حنیف وجدانی اشعارِ اقبال پیش کرتے ہوئے

فریدالدین احمد ''نیابتِ الٰہی اور خودی'' پر بات کرتے ہوئے

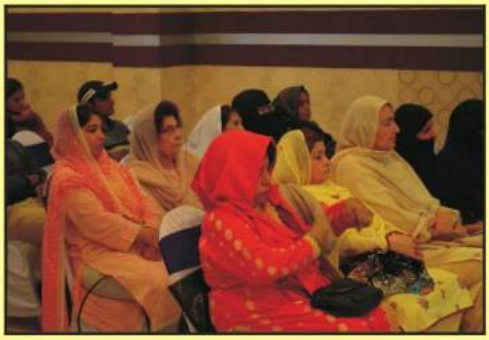

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

ڈاکٹر اشتیاق احمد تقریر کرتے ہوئے

سماعت گاہ کا ایک منظر

کشمالہ پرویز تقریر کے دوران

سامعینِ کرام

عاطف طفیل ''حلقۂ اثر'' بڑھانے کے طریق سمجھاتے ہوئے

سامعینِ کرام کا ایک منظر

اسٹیج پر موجود محمد عمر نمائندہ بزم لاہور، ڈاکٹر انعام الحق صدرِ مجلس، مہمانِ خصوصی حنیف وجدانی اور چیئرمین ادارہ محمد اکرم راٹھور

سماعت گاہ کے مناظر

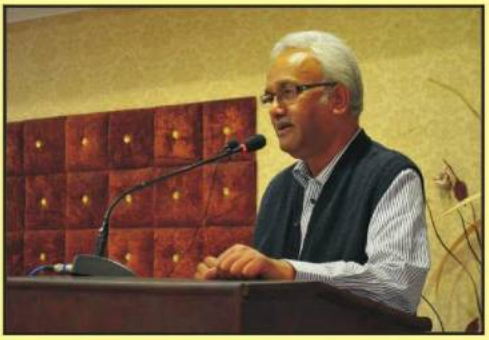

خالد فاروقی اظہارِ خیال کرتے ہوئے

عافیہ فاروقی تقریر کرتے ہوئے

محمد ارشد اشعارِ اقبال پڑھتے ہوئے

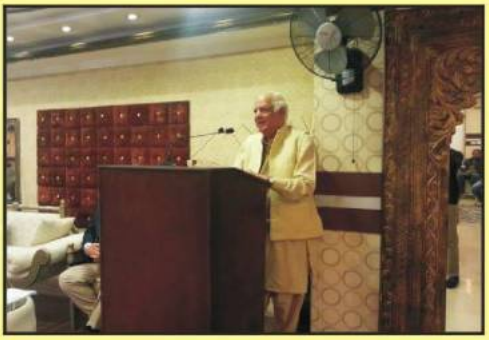

صدرِ مجلس، ڈاکٹر انعام الحق صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے

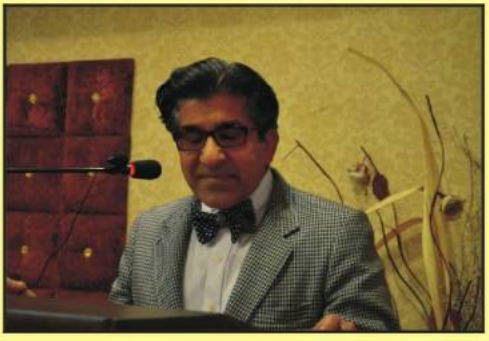

ڈاکٹر حامد اے میاں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے

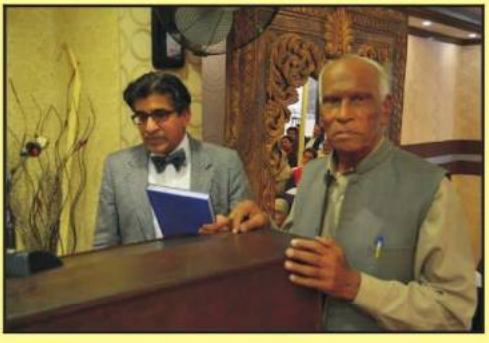

اشرف ظفر ''مطالب القرآن فی دروس الفرقان''
کی 29ویں جلد ڈاکٹر حامد میاں کو پیش کرتے ہوئے

محمد اکرم راٹھور

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

# خطبہ استقبالیہ

محترم خواتین وحضرات السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آج کا دن ایک مبارک دن ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں قرآن کی تعلیمات سے ہم آہنگ طبقے کے نمائندگان اور دوسرے ہم فکر احباب پاکستان کے دور ونزدیک مقامات سے ذوق وشوق کے ساتھ لاہور میں جمع ہیں۔ لاہور کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں سے اقبال نے ملتِ اسلامیہ کو یہ پیغام دیا کہ ؎

گر تو می خواہی مسلمان زیستن

نیست ممکن جزبہ قرآں زیستن

اور پھر واضح تر الفاظ میں کہا کہ مسلمانوں کے پاس ایک خطۂ زمین ایسا ہونا چاہئے جس میں وہ اپنے تصور کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ یہی وہ تصور تھا جس کی بدولت 1940ء کی قراردادِ پاکستان منظور ہوئی جس کا زندہ نتیجہ ہمارا آج کا پاکستان ہے۔ اور آج پھر اسی سرزمین میں احبابِ قرآنی اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ سوچا جائے کہ قرآنی فکر کو کس طرح منظم طور پر آگے بڑھایا جائے تاکہ قرآن کا حیات بخش پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے اور اس کے نتیجہ میں ہمارا معاشرہ قرآنی خطوط پر متشکل ہو سکے۔

میرے اور میرے رفقائے کار کے لئے ایسے عظیم الشان عزم سے سرشار مہمانانِ گرامی کے استقبال کی سعادت ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔ امید کی جاسکتی ہے کہ یہ کوشش قرآنی فکر سے دلچسپی اور ہم آہنگی رکھنے والے احباب میں مزید یک جہتی اور ائتلاف کا سبب بنے گی۔

لیکن قرآنی فکر کا مقصود جو عظیم انقلاب ہے اس کی اہمیت کے تقاضے موجودہ رفتار سے پورے نہیں ہو سکتے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآنی فکر کی نشر واشاعت کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے تا آنکہ کوئی صاحبِ عقل وبصیرت ایسا نہ رہے جو اس سے شناسا نہ ہو جائے کہ انسانی فلاح کا راز صرف اور صرف قرآنی معاشرہ کی تشکیل میں پوشیدہ ہے۔

بعض اوقات کچھ سمجھ دار حضرات بھی کہہ دیتے ہیں کہ فکری دعوت کی تکرار کب ختم ہوگی۔ ان مخلص اعتراض کرنے والوں کو جائزہ لینا چاہئے کہ ہمارے ہاں صحیح فکر کس حد تک پیدا ہو چکی ہے۔ اب تک 20 کروڑ افراد میں کتنے لوگوں تک یہ آواز پہنچ پائی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہونا چاہئے تھا اس کا لاکھواں حصہ بھی اب تک نہیں ہو سکا۔ ان حالات میں یہ خود فریبی ہوگی اگر ہم یہ خیال کریں کہ فکری تبدیلی کو یہیں چھوڑ کر کوئی ہنگامہ آرائی کرنی چاہئے۔

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ''کم بولنا' زیادہ سوچنا اور اس سے بھی زیادہ کر کے دِکھا دینا'' وہ اصول ہے جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے۔ اسی اصول کے تحت میں اِس موقعہ پر اب آپ کا مزید وقت نہیں لینا چاہتا۔ شکریہ

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆.....☆.....☆


# قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

| نام کتاب | سورہ نمبر | صفحات | نیا ہدیہ | نام کتاب | سورہ نمبر | صفحات | نیا ہدیہ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| سورہ الفاتحہ | (1) | 240 | 200/- | سورۃ الشعرآء | (26) | 454 | 400/- |
| سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن) | (1) | 240 | 110/- | سورۃ النمل | (27) | 280 | 300/- |
| سورۃ البقرہ (اول) | (2) | 500 | 400/- | سورہ القصص | (28) | 334 | 350/- |
| سورۃ البقرہ (دوم) | (2) | 538 | 400/- | سورہ عنکبوت | (29) | 388 | 350/- |
| سورۃ البقرہ (سوم) | (2) | 500 | 400/- | سورہ روم' لقمان' السجدہ | (30,31,32) | 444 | 400/- |
| سورۃ النساء | (4) | 870 | 700/- | سورہ احزاب' سبا' فاطر | (33,34,35) | 570 | 400/- |
| سورہ النحل | (16) | 334 | 300/- | سورہ یٰسین | (36) | 164 | 150/- |
| سورہ بنی اسرائیل | (17) | 396 | ---- | سورہ الصّٰفّٰت' ص' زمر | (37,38,39) | 450 | 400/- |
| سورۃ الکہف و سورہ مریم | (18-19) | 532 | 400/- | سورۃ مومن' حٰمٓ سجدہ' سورہ شوریٰ | (40,41,42) | 624 | 550/- |
| سورہ طٰہٰ | (20) | 416 | 350/- | سورۃ زخرف' دخان' جاثیہ' احقاف' محمدؐ | (43-44-45 46-47) | 520 | 500/- |
| سورۃ الانبیآء | (21) | 336 | 300/- | سورۃ الفتح' الحجرات' ق' الذاریات' الطور' النجم | (48-49-50 51-52-53) | 550 | 500/- |
| سورۃ الحج | (22) | 380 | 350/- | سورۃ القمر' الرحمٰن' واقعہ' الحدید | (54-55 5657) | 384 | 400/- |
| سورۃ المؤمنون | (23) | 408 | 400/- | 29واں پارہ (مکمل) | ---- | 544 | 400/- |
| سورۃ النور | (24) | 264 | 350/- | 30واں پارہ (مکمل) | ---- | 624 | 400/- |
| سورۃ الفرقان | (25) | 389 | 350/- | شرح جاوید نامہ | ---- | 800 | 1000/- |

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)' 25/B' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاطف طفیل، لاہور

# اپنا حلقۂ اثر بڑھایئے

محترم عاطف طفیل صاحب نے 23 نومبر 2014ء کے سیمینار میں اس موضوع پر گفتگو کی جس کا خلاصہ ہم آپ کے استفادہ کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ ادارہ

ہم اپنے اپنے زاویہ نگاہ کے مطابق دنیا کو دیکھتے ہیں۔ درحقیقت ہمیں دنیا جیسی کہ وہ ہے نظر نہیں آتی بلکہ ہم دنیا کو ہمیشہ اپنی تعلیم و تربیت، معاشرتی و گھریلو ماحول، تجربات اور مخصوص مزاج کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ ہمارا مخصوص نقطہ نظر واقعات کو اپنا رنگ پہنا دیتا ہے۔ ہر شخص واقعات کی اپنی اپنی تعبیر و تاویل کرتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے انداز نظر سے واقعات کو دیکھتا ہے۔ اسے کچھ یوں سمجھئے کہ زید، بکر کو اپنی نظر کی عینک پہننے کے لئے دیتا ہے۔ اور اصرار کرتا ہے کہ وہ اس کی نظر کے چشمے سے مناظر کو صاف صاف دیکھے۔ بکر اس عینک سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اسے سب کچھ دھندلا دھندلا نظر آتا ہے۔ زید بکر کے والدین کے انداز میں بولتے ہوئے اسے کہتا ہے کہ تمہیں پتہ ہے کہ میں نے تمہارے لئے کتنی قربانیاں دیں اور اب تم میرے کہنے پر یہ معمولی سا کام بھی نہیں کر سکتے لیکن بکر بچارا پھر زبان حال سے عرض کرتا ہے کہ مجھے کاوش کے باوجود کچھ نظر نہیں آ رہا۔ اب زید اس کے پاس کے لہجے میں کلام کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم نے میرے چشمے سے چیزوں کو دیکھنے کی کامیاب سعی نہ کی تو میں تمہیں ملازمت سے برخاست کر دوں گا لیکن وہ پھر بھی نفی میں سر ہلاتا ہے۔ اس کے بعد زید بکر پر سماجی دباؤ ڈالتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تم نے اگر اس چشمے سے نہ دیکھا تو لوگ کیا کہیں گے لیکن بکر کی بیزاری مسلسل بڑھتی جاتی ہے۔

یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اگر ہمیں کسی شخص کو اپنے حلقہ اثر میں لانا ہے اور اسے اپنے زاویہ نگاہ سے متاثر کرنا ہے تو پھر ہمیں اس کی منفرد صورتحال کو سمجھنا ہوگا۔ اس کے زاویہ نگاہ کو دل و دماغ کی کامل کشادگی کے ساتھ قبول کرنا ہوگا۔ ہم کسی کو اپنی نظر کی عینک سے دنیا نہیں دکھا سکتے جب تک ہم خود اس کے زاویہ نگاہ سے مکمل مطابقت حاصل نہ کر لیں۔

دو افراد کے مابین ابلاغ میں رکاوٹ پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب وہ ایک دوسرے کے زاویہ نگاہ کو سمجھے بغیر ایک دوسرے پر اپنا زاویہ نگاہ یکطرفہ طور پر ٹھونسنا شروع کر دیتے ہیں۔ آپ اپنی خانگی زندگی کی کوالٹی بہتر بنانا چاہتے ہوں یا پھر پیشہ وارانہ ترقی حاصل کرنا چاہتے ہوں یا پھر اپنا مخصوص طرز فکر لوگوں تک پہنچانا چاہتے ہوں، ان سب کے لئے آپ کو دوسروں کے نقطہ خیال کو، اپنے نقطہ نظر کو پس پشت ڈال کر سمجھنا ہوگا۔ مزید برآں ان کی ذہنی سطح اور جذباتی حالت کا بے لاگ ادراک کرنا ہوگا۔

سلیم جب چودہ برس کا ہوا تو بہت بدمزاج ہوگیا۔ اس کا دل پڑھائی سے بھی اچاٹ ہوگیا اور وہ اپنے ماں باپ سے بدکلامی بھی کرنے لگا۔ ایک دن اس کے والد برہم ہوگئے اور انہوں نے اسے ''سبق'' سکھانے کا فیصلہ کرلیا۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اس کے کمرے میں داخل ہوکر اسے بے نطق سنانے لگے۔ انہوں نے اسی غصے کی حالت میں سلیم کو پورا ''دستور حیات'' دے دیا۔ اپنا غصہ نکالنے کے بعد انہیں یکا یک خیال آیا کہ انہوں نے سلیم کے دل کو ''پھرولنے'' کی تو ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور اپنے بیٹے کے دل کا ماجرا جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ بس پھر کیا تھا وہ سلیم کے کمرے کی طرف پلٹے اور اس سے اپنی تنک مزاجی کی معافی طلب کی۔ انہوں نے اس سے کہا کہ اب وہ بولے گا اور وہ خود اس کی بات بغیر کسی دخل اندازی کے سنیں گے۔ سلیم کے والد کا اتنا کہنا تھا کہ سلیم نے اپنا دل ان کے سامنے کھولنا شروع کردیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ اپنے نئے سکول میں ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہا' ریاضی کا مضمون اس کے سر کے اوپر سے گزر رہا ہے اور ان دنوں وہ ٹائپنگ سیکھنے کی بھی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ اتنی مشکلات سے نمٹنے کے بعد جب اس کے والدین بھی اس سے اظہار ہمدردی کرنے کی بجائے اس سے مطالبات کرتے ہیں اور اپنے احسانات کی لمبی فہرست بار بار پیش کرتے ہیں تو وہ جھنجلا اٹھتا ہے۔ اسے یقین ہوجاتا ہے کہ اس کے والدین اس کی ذہنی وجذباتی حالت سے کوسوں دور ہیں اور انہیں کچھ علم نہیں کہ ان کے بیٹے پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ سب کچھ کہنے کے بعد سلیم کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ اس کے اپنے والدین کے ساتھ خوشگوار تعلقات بحال ہوگئے اور وہ اپنے والد کی شکایات پر ہمدردانہ غور وفکر کرنے پر تیار بھی ہوگیا۔ سلیم کے رویے میں یہ بنیادی تبدیلی اس لئے پیدا ہوئی کہ اس کے والد نے دھیان سے اس کی بات سنی اور اس کی نظر سے اس کے مسائل کو دیکھا۔ دوسروں کو سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ ہر انسان کو انسانی سطح پر زندہ رہنے کے لئے اپنی قدر شناسی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے دل کے آئینے میں اس کی نفسیاتی وجذباتی کیفیت کو منعکس کریں۔

یہاں پر اپنے ساتھ گزرا ہوا ایک دلچسپ واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔ کچھ دن ہوئے کہ مجھے ایک حکیم صاحب کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ جونہی میں ان کے مطب میں داخل ہوا وہ مجھے میری علامات مرض بتانے لگے۔ میں ان سے بار بار درخواست کرتا کہ خدارا مجھے خود اپنی کیفیت بیان کرنے دیں اور پھر جب میری تسلی ہوجائے کہ میں نے اپنی بیماری کے متعلق آپ کو ساری تفصیل بتادی ہے تو پھر آپ نسخہ تجویز کریں لیکن موصوف تو تشخیص سے قبل ہی نسخہ تجویز کرنے پر مصر تھے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ میں نے اپنے ''ممدوح'' سے رخصت طلب کی اور اپنا حال دل بیان کرنے کے لئے کسی ایسے معالج کی تلاش میں چل پڑا جو دل کے کانوں سے میری سنتا اور میری کیفیت سے مطابقت پیدا کرکے میرے علاج کا سلسلہ شروع کرتا۔

ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کی بات دھیان سے سنی جائے اور اس کی کیفیت کو محسوس کیا جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی قلبی حالت سے ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ البتہ ہمیں دوسروں کی بات کو خالی الذہن ہوکر اور اپنا مخصوص انداز نظر پس پشت ڈال کر سننے کی عادت نہیں

ہے۔ہم جب بھی دوسرے کی بات سن رہے ہوتے ہیں تو دراصل ہم اس کی بات نہیں سنتے بلکہ اس کی بات کا جواب اپنے ذہن میں تیار کررہے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہمیں کوئی اپنا مسئلہ بتاتا ہے تو ہم اس کا احتساب شروع کردیتے ہیں اور نصیحتیں اور مشورے دینے کے لئے تو خیر ہم ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ یہاں پر ہم آپ کو سماعت کے غیر موثر اسلوب بتاتے ہیں جو ہم اپنی روزمرہ زندگی میں عموماً اختیار کرتے ہیں جن سے ہمارے انسانی رشتے کمزور پڑ جاتے ہیں اور ہمارا حلقہ اثر بھی سکڑنا شروع ہوجاتا ہے۔آیئے پھر سماعت کے غیر موثر اسلوب کے متعلق علم حاصل کرتے ہیں تاکہ ہم ان سے مستقبل میں اجتناب کرسکیں۔

☆ کوئی ہم سے بات کررہا ہے لیکن ہم اپنے ہی خیالوں میں گم ہیں۔

☆ ہم دوسرے کی بات سننے کی اداکاری کرتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم اس کی بات نہیں سن رہے ہوتے۔ہم ہاں ہوں کہہ کر یا ایک آدھ لفظ کا لقمہ دے کر دوسرے کو یہ تاثر دے رہے ہوتے ہیں کہ اس کی بات سنی جارہی ہے جب کہ امر واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ہم سن نہیں رہے ہوتے بلکہ سننے کا سوانگ بھرتے ہیں۔

☆ ہم گفتگو کا وہ حصہ سنتے ہیں جس میں ہماری دلچسپی ہو اور پھر کسی بھی ایک لفظ سے ہمارے خیالات کا سلسلہ اپنے من پسند موضوع کی جانب منتقل ہوجاتا ہے اور یوں ہم مخاطب کی بات اس کے پورے سیاق وسباق کی روشنی میں سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم دوران گفتگو ہی اپنے خیالات کی نجی محفل سجالیتے ہیں اور مخاطب کے مافی الضمیر کو جزوی یا کلی طور پر نظرانداز کردیتے ہیں۔

☆ ہم زیادہ سے زیادہ الفاظ سنتے ہیں لیکن الفاظ کے پردے میں ملفوف احساسات وجذبات تک ہماری رسائی نہیں ہوتی۔ہم ان احساسات وجذبات تک نہیں پہنچ پاتے جن کی ترجمانی الفاظ کررہے ہوتے ہیں۔

☆ ہم اپنے معتقدات وتجربات کے ترازو میں لوگوں کو تولتے ہیں اور انہیں مخلص دوست کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ منصف بن کر یکطرفہ فیصلہ سنادیتے ہیں۔

☆ جونہی ہمیں کوئی اپنا مسئلہ بتاتا ہے تو ہم اس کا مسئلہ سننے کی بجائے فی الفور تجاویز کے ڈھیر لگادیتے ہیں۔اس طرح ہم ناصح کا ناپسندیدہ کردار تو اختیار کرلیتے ہیں لیکن ایک امکانی دوست کی رفاقت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

☆ ہمیں کوئی اپنی بات میں شامل کرنا چاہے تو ہم معاملے کی چھان بین کرنے کے لئے سوالات کی اتنی بھرمار کردیتے ہیں کہ بات کرنے والے کی حوصلہ شکنی ہوجاتی ہے اور وہ چپ سادھ لیتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ ہم کس طرح اپنی روزمرہ زندگی میں سننے کے غیر موثر اسلوب اختیار کرکے لوگوں کو اپنے قریب کرنے کی بجائے اپنے سے دور کرلیتے ہیں۔فرض کیجئے کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہمیں بتاتا ہے کہ سکول میں اس کے دوست نہیں بن رہے اور وہ اکلاپے کا شکار ہے۔ہم اس کی بات کے جواب میں موسم کی غیر یقینی روش کا رونا لے کر بیٹھ جاتے ہیں تو ہم نے اسے یہ تاثر دیا کہ ہم نے اس کی

بات سرے سے سنی ہی نہیں اور ہم اپنی ہی کیفیات میں کھوئے رہے۔ جب کہ اس کی بات کے جواب میں ہمارا یہ کہنا کہ جمیل میرا گہرا دوست ہے اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ہم نے اس کی بات سے لفظ دوست منتخب کر کے اپنی ہی رام کہانی شروع کر دی۔ ہمارا اسے یہ جواب دینا کہ تمہیں خود دوسروں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہیے درحقیقت اسے نصیحت کرنے کے مترادف ہے اور ہم اگر اس سے جواباً یہ کہیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ لڑکے تمہارے دوست نہیں بن رہے کہیں تمہاری تعلیمی کارکردگی تو غیر تسلی بخش نہیں ہے۔ اس طرح ہم نے معاملے کی تفتیش تو کی لیکن اس کی قلبی کیفیت کو سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ سب جوابات ظاہر کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے برادر خورد کی کیفیت کو اپنے دل کے آئینے میں منعکس ہونے کا موقعہ نہ دیا۔ ان تمام جوابات کے برعکس اگر ہم اسے یہ کہتے کہ دوستوں کی عدم موجودگی میں یقیناً تم تنہائی محسوس کرتے ہو گے تو وہ مزید اپنی باطنی کیفیت کے متعلق بتاتے ہوئے کہتا کہ میرے کلاس فیلوز جلیل اور اسفندیار میرے ساتھ بے رخی برتتے ہیں اور مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی کہ کیسے ان کے دل میں اپنی جگہ بناؤں۔ ہم اسے جواباً اگر یہ کہتے کہ تم خاصے پریشان معلوم ہوتے ہو تو وہ مزید اپنا حال دل بیان کرتے ہوئے کہتا کہ یقیناً ایسا ہی ہے جب میں پرانے مدرسے میں تھا تو خاصا مقبول تھا۔ یہاں پر اس نے دوستی بنانے میں پیش قدمی بھی کی لیکن پھر بھی بات نہیں بن رہی۔ ہم اسے یہ کہتے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ تم خاصے متفکر ہو تو وہ اپنی حالت کے متعلق بتاتا کہ شاید مجھ میں ہی کوئی خرابی ہے تو ہم اسے جواباً یہ کہتے کہ نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے تم صرف اس وقت مایوس ہو۔ یہاں تک جب باہمی گفتگو پہنچتی تو ہمارا بھائی مکمل طور پر مطمئن ہو جاتا کہ ہم اس کی قلبی حالت کو سمجھ گئے ہیں اور وہ ہمارا شکر گزار ہوتا اور ہم سے خود پوچھتا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

اس سارے واقعہ میں ہم نے دیکھا کہ بڑے بھائی نے دل کے کانوں سے اپنے چھوٹے بھائی کی بات سنی اور اس کی قلبی کیفیت کے ساتھ کامل ہم آہنگی پیدا کر لی۔ اس کے دل کو جیت لیا اور پھر چھوٹا بھائی خود اس سے اپنے مسئلے کے حل کے لئے رجوع کرنے لگا۔ بس ہمیں بھی تشخیص سے قبل نسخہ تجویز نہیں کرنا چاہیے۔

ہمیں اگر دوسروں کو اپنا فکری ہمنوا بنانا ہے تو ہمیں اپنے طریقہ کار میں درج ذیل نمایاں تبدیلیاں لانا ہوں گی۔

☆ ہمیں یہ بنیادی حقیقت جان لینی چاہیے کہ ہر کوئی دنیا کو اپنے مخصوص انداز نظر سے دیکھتا ہے۔

ہمیں **بحث و تمحیص** سے کلیتاً اجتناب کرنا چاہیے اور کبھی بھی دوسرے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ غلط سوچ رہے ہیں بلکہ ایسی صورت میں ہمارا یہ کہنا مفید ہو گا کہ ”میں سمجھتا ہوں کہ معاملے کا یہ پہلو بھی آپ پیش نظر رکھیں تو ہمارے درمیان ہم آہنگی کی فضا پروان چڑھے گی“۔

☆ ہمیں حاضر دماغی سے دوسرے کی بات سننی چاہیے اور بات سنتے وقت لمحہ موجود میں حاضر رہنا چاہیے۔

☆ ہمیں خالی الذہن ہو کر اور اپنے تعصّبات سے آزاد ہو کر دوسرے کی دل کے کانوں سے سننی چاہیے۔

☆ہمیں اپنی سنانے سے پہلے دوسرے کی سننی چاہئے۔

ہمیں دوسرے کا نقطہ نظر کھلے دل و دماغ سے سننا چاہئے اور اسے اپنے لفظوں میں بیان کرنا چاہئے تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ ہم پوری طرح اس کی بات سمجھ گئے ہیں۔

☆ہمیں اپنے مخاطب کے احساسات وجذبات کو بھی سمجھنا چاہئے۔ ہمیں بولنے والے کے صرف الفاظ ہی نہیں سننے چاہئے بلکہ الفاظ کے نقاب میں ان کے احساسات وجذبات کے ساتھ بھی مطابقت پیدا کرنی چاہئے۔

☆ہمیں خود بولنے سے زیادہ دوسرے کو بولنے کا موقعہ دینا چاہئے۔

☆ہمیں کسی بھی صورت دوران گفتگو اپنے مخاطب کی عزت نفس پر حملہ نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اس کی انا کو ٹھیس پہنچانی چاہئے۔

☆ہمیں دوسروں کے خیالات بلا واسطہ بدلنے کی بجائے بالواسطہ بدلنے چاہئے۔

☆ہمیں کسی بھی صورت دوران گفتگو غصے میں نہیں آنا چاہئے اور نہ ہی منفی جذبات کی بھینٹ چڑھنا چاہئے۔

اور سب سے اہم یہ ہے کہ ہمیں دوسروں کو بدلنے کی بجائے خود کو بدلنا چاہئے اور مختلف نقطہ ہائے نظر کو کشادہ قلبی سے قبول کرنا چاہئے۔ جب تک ہم دوسروں کے انداز نظر سے دنیا کو نہیں دیکھیں گے۔ اس وقت تلک ہم ان کے قلب میں اپنے انداز نظر کے لئے نرم گوشہ نہیں پیدا کر سکتے۔

☆.....☆.....☆

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہماری ہر محفل میں الصلوٰۃ کا بحیثیت نظام جس طرح بار بار ذکر آتا ہے اس سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے کہ ہم نماز کے اجتماعات کی اہمیت کے قائل نہیں..... صلوٰۃ کا وقتی اجتماع بھی قرآن ہی کا ارشاد ہے اور یہ الصلوٰۃ کے عالم آرا نظام ہی کی سمٹی ہوئی تصویر ہے۔ جو شخص نماز (روزہ، حج) کی اہمیت کو کم کرتا ہے وہ طلوع اسلام کے خلاف فتنہ وشرارت کا محرک ہے اور ایسی مذموم حرکت کسی طرف سے نہ تو دانستہ ہونی چاہئے اور نہ نادانستہ۔

(ماہنامہ طلوع اسلام، مئی 1959ء ص 14)

ڈاکٹر انعام الحق

# سالانہ کنونشن منعقدہ 23 نومبر 2014ء
## میں محترم ڈاکٹر انعام الحق صدرِ مجلس کا مقررین کی تقاریر کے تجزیہ پر مبنی خطاب کا متن

میں ادارہ طلوع اسلام کی انتظامیہ کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اس سالانہ کنونشن کے اجلاس کی صدارت کے اعزاز سے نوازا۔ یقین جانیں یہ میرے لئے ایک نہایت قابلِ افتخار اور باعثِ عزت مقام ہے۔ اس موقعہ پر میں ادارے کی انتظامیہ کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے طویل عرصہ کے بعد نہایت شاندار سہولتیں مہیا کر کے دوبارہ کنونشن کا احیاء کر کے طلوع اسلام کی فکر سے وابستہ اراکین کے دِل موہ لئے۔

اجلاس کی انتظامیہ نے مجھے یہ فریضہ سونپا ہے کہ میں خطبہ صدارت میں تمام مقررین کے خطابات کا مختصر سا جائزہ پیش کروں۔ آج اور پہلے روز کے مقررین کی تعداد ایک درجن بنتی ہے اور سبھی کے تجزیہ کا مکمل احاطہ کرنا ناممکن ہے جب کہ دوپہر کے تین بجنے میں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔ لنچ کے لئے پہلے ہی دیر ہو چکی ہے اور اب اس کا مزید انتظار کروانا تو سامعین کے ساتھ سراسر زیادتی ہوگی، لہٰذا میری کوشش ہوگی کہ میں اپنے جائزہ کو ہر مقرر کے خطاب کی کسی ایک اہم بات کا انتخاب کر کے اس کا نہایت سرسری سا ایک پیرے پر مشتمل جائزہ لے کر آپ کے سامنے پیش کروں اور لنچ میں معزز حاضرین کے لئے مزید انتظار کی کوفت میں اضافہ کا باعث نہ بنوں۔

آج اجلاس کے پہلے روز سب سے پہلے بزم سوات کے نمائندہ اور ادارہ کے وائس چیئر مین محترم خورشید انور نے ایک اچھی تجویز ہمارے سامنے رکھی کہ ہمیں اپنے ناراض ارکان کو منا کر ان کو واپس لانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ اس میں مزید تساہل کے ہم متحمل نہیں ہو سکتے۔

اس ضمن میں مجھے اپنے سامنے بیٹھے ادارہ کے نہایت ہی مخلص اور قرآنی فکر کی مستند اتھارٹی رکھنے والے محترم شیخ اللہ دِتا صاحب دکھائی دے رہے ہیں اور میں اپنی اس خواہش کو قابو نہیں کر پا رہا ہوں کہ ان کو سننے کے مقام سے اٹھا کر یہاں ڈائس پر سنانے کے مقام پر لے آؤں۔ میری اِس خواہش کو تکمیل تک پہنچانے میں سامعین میں موجود ان کے صاحبزادے نے اپنے سر یہ ذمہ داری لے لی ہے اور مجھے ان پر بھروسہ کر کے اطمینان محسوس ہو رہا ہے۔

ادارہ سے وابستہ تیسری نسل کی نمائندگی میں بیٹی عافیہ فاروقی نے ایک ہزار کے نوٹ کو ہر شکل وصورت میں پیش کر کے اس کی اپنی قدر (قیمت) کو مستقل طور پر برقرار رکھنے کی پر اثر انداز میں مثال دے کر ہمارے لئے قرآن کی مستقل اقدار کے اہم ترین مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی پیدا کر دی۔ شکریہ بیٹی۔

ادارہ سے وابستہ اسی تیسری نسل کی نمائندگی میں بیٹی کشمالہ پرویز نے عروجِ آدم کو موضوع بنا کر اس عروج کی جلد آمد کی نوید سنائی۔ جس طرح ہم نوع انسانی کو ایک globalvillage کی شکل میں علمی تناظر میں قرآنی اقدار کے قریب آتا دیکھ رہے ہیں، تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ دن دُور نہیں جب حق کا غلبہ ہو کر رہے گا جس کے نتیجہ میں عملی طور پر بھی عروجِ آدم دیکھنے کا خواب حقیقت میں ڈھلنا شروع ہو جائے گا۔

تیسری نسل کی نمائندگی کے بعد اب دوسری نسل کی باری کی نمائندگی محترمہ پروفیسر ڈاکٹر صالحہ غنی، نمائندہ بزم لاہور (خواتین) نے ڈائس پر آ کر کی۔ انہوں نے اپنے زمانے کی ادارہ طلوع اسلام سے وابستہ معروف سکالر اور اپنی والدہ محترمہ ثریا عندلیب کا مقالہ پڑھ کر سنایا جس میں قرآن کی روشنی میں فکر و تدبر سے کام لینے کی اہمیت کو ہر زاویہ نگاہ سے اجاگر کیا گیا تھا۔ اسی موضوع کی اہمیت اور ضرورت محسوس کرانے میں محترم پرویز صاحب ساری عمر لوگوں کو راغب کرتے رہے۔ دیکھا جائے تو اب اسی فریضہ کی ذمہ داری اور جوابدہی ہم سبھی طلوع اسلام کی تحریک سے وابستہ اراکین پر اجتماعی اور انفرادی طور پر عائد ہوتی ہے۔

محترم حاضرین و حاضرات! عاقل حیوان کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو انسان کا طبعی وجود اس کائنات میں کہیں نہیں پایا جاتا بلکہ ایک غیر مرئی تصور کی شکل میں انسان بطور ''عاقل حیوان'' کے ہی ہمارے سامنے اپنا وجود رکھتا ہے۔ وہ عقل ہی کی بدولت حیوان سے الگ ایک غیر مرئی وجود رکھتا ہے۔ اگر وہ اپنے اعمال کے انتخاب میں اپنی عقلِ فعال سے کام نہیں لیتا تو منطقی طور پر وہ انسان کہلانے کا استحقاق کھو بیٹھتا ہے۔ اور جیسا کہ ہم قرآن میں دیکھتے ہیں، وہ اپنا مقام کھو کر حیوانی سطح سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ [7:179]

انسانوں کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ مہذب قوم ہوں، یا جاہل بادیہ نشین۔ وہ زندگی جہنم میں گزارتے ہیں۔ یعنی سینے میں دِل رکھتے ہیں، لیکن اس سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے، ان کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں، لیکن اس سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے، وہ کان بھی رکھتے ہیں لیکن اس سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں بلکہ حیوان ہوتے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔

اس ضمن میں قرآن اس سطح پر گرنے والے افراد کو سمجھ سے محروم گردان کر اس امر کا واضح اعلان کرتا ہے کہ

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ [43:3]

ہم نے اسے واضح اور غیر مبہم قرآن بنایا ہے تا کہ تم عقل سے کام لے کر اسے سمجھ سکو۔

لہٰذا اس آیت سے منطقی نتیجہ خود بخود اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور حیوانی سطح کے مقام پر کھڑے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں، قرآن کریم ان کی سمجھ کے لیے نازل ہی نہیں ہوا۔ ان کو قرآن کی ہدایات سے بہرہ مند ہونے کے اہل ہونے کے لئے پہلے حیوانی مقام سے بلند ہو کر انسانی مقام تک پہنچنا ہوگا۔

آج کنونشن کا دوسرا روز ہے۔ پہلے روز بزمِ کراچی کے نمائندہ محترم اقبال صاحب اور طلوع اسلام ٹرسٹ کے منیجر نے انٹرنیٹ اور

سوشل میڈیا میں کمپیوٹر کی مدد سے طلوع اسلام کے پیغام کے ابلاغ کو وسعت دینے کے لئے آئندہ کے پروگرامز کی کاوشوں سے آگاہی دی۔ اِن دونوں حضرات نے جس خندہ پیشانی اور لگن سے ہم سب کے تحفظات کا مداوا کرتے ہوئے امید کی ایک نئی کرن روشن کی اس پر فوری ردِعمل اسی ریمارک کی شکل میں سامنے آیا کہ It is too good to believe.

اس سے پیشتر ادارے کے وائس چیئرمین محترم حامد میاں نے کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے ماہر اپنے ایک نوجوان عزیز جناب زاہد اکرام کو متعارف کرایا جو اس تحریک سے متاثر ہو کر اپنی ماہرانہ خدمات ادارے کی بہتری کے لئے پیش کرنے کا جذبہ لئے ہوئے تھے۔ ان کی تجاویز کو بہت سراہا گیا اور ضرورت محسوس کی گئی کہ ادارہ کی طرف سے ان کی خدمات سے بطور ایک رابطہ کار کے مستفید ہوا جائے تاکہ علیحدہ علیحدہ کام کرنے والوں کو ادارہ کی طرف سے مرتب شدہ ایک پالیسی کے تحت یکجا کر کے اور سوشل میڈیا کے توسط سے قرآنی تعلیم کے ابلاغ میں مزید وسعت لائی جائے۔

اجلاس کے پہلے ہی روز کی طویل مجلس کے انعقاد کے بعد آخر میں محترم صدیق اکبر صاحب نے چارٹ کی مدد سے اپنا تفصیلی اور بڑی محنت سے مرتب کردہ پرمغز مقالہ بعنوان ''تخلیقِ کائنات کے چھ ادوار'' بڑے دلکش انداز میں بغیر تھکاوٹ محسوس کئے حاضرین کے سامنے پیش کیا۔ سامعین سے البتہ کچھ حضرات اس دیہاتی آدمی والی تھکن کی کیفیت محسوس کر رہے تھے جو ساری رات حضرت یوسف و زلیخا کی داستان سنتا رہا اور صبح ہونے پر پوچھنے لگا کہ زلیخا عورت تھی یا مرد؟

آج کے اجلاس میں محترمہ ڈاکٹر صالحہ نغمی کے بعد محترم ڈاکٹر اشتیاق صاحب نے اپنے مخصوص مزاح سے بھرپور جارحانہ انداز میں خطبہ پیش کر کے سامعین میں ایک نیا جوش پیدا کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی۔ محترم ڈاکٹر صاحب کو اپنے خالق سے یہ سخت شکایت ہو رہی تھی کہ حضرت انسان کو پیدا کرتے وقت اس سے نہ ہی مشاورت کی گئی اور نہ ہی اس ضمن میں اجازت طلب کی گئی اور اس پر مزید ظلم یہ کیا گیا کہ حضرتِ انسان کو اس کے اعمال کا جوابدہ بھی ٹھہرایا جا رہا ہے۔ وہ مجلس میں حاضر سبھی حضرات سے پوچھ رہے تھے کہ آپ ہی بتلاؤ کہ یہ کس قسم کا اور کہاں کا انصاف ہے۔

اس قسم کے مزاح سے بھرپور سوالات کا جواب دیتے وقت محترم پرویز صاحب ٹھیٹھ پنجابی زبان میں لطیفہ کی مدد سے جواب دیا کرتے تھے۔ مجھے بھی اس ضمن میں ایک بھولا ہوا لطیفہ یاد آ رہا ہے جو ان کو یاد کرتے ہوئے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

لطیفہ کچھ یوں ہے کہ مرنے کے بعد یوم الحساب کے موقعہ پر سبھی مذاہب کے لوگ اللہ کے دربار میں اپنے اپنے اعمال کا حساب دینے پیش ہوئے۔ سبھی نے اپنے اپنے عقائد کی روشنی کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اُسے Justify کرتے رہے۔ جب سردار صاحب کی باری آئی تو خدا نے اس سے پوچھا:۔

سردار جی اب تم بتاؤ کہ دنیا میں کیا کرتے رہے ہو؟

سردار جی نے جواب میں خدا سے ہی پوچھ لیا۔

پہلے یہ بتاؤ کہ آپ کیا کرتے رہے ہو؟

خُدا نے جواب میں کہا:۔

میں بندے بنا تا رہا ہوں۔

سردار جی (دونوں ہاتھوں سے اپنی طرف اشارہ کر کے) بولے

کیا ایسا بندہ بنایا ہے؟

محترم ڈاکٹر صاحب کے بعد جناب عاطف طفیل صاحب نے ڈائس پر آ کر نہایت ہی موثر انداز میں ''اپنا حلقہ اثر بڑھانے'' کے موضوع پر مفید تجاویز سے آگاہی کرائی۔ انہوں نے ایک اہم نکتہ کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی بھی زیرِ بحث مسئلہ پر بات آگے بڑھانے سے پیشتر موضوع کے بارے میں مخاطب کے نکتہ نظر سے واقفیت حاصل کرنا لازمی امر ہے ورنہ بحث کا مناظرانہ رنگ اختیار کرنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

محترم عاطف صاحب کے آگاہ کردہ اس اصول کی مکمل پاسداری ہمیں سقراط (Socratic methods) کے طریقہ کار میں ملتی ہے۔ وہ کسی شے کے تصور کو متعین کرنے سے پہلے اُس کے متعلق سامعین سے اُن کی رائے دریافت (Definition) کرنا کبھی نہیں بھولتا تھا۔ وہ ہمیشہ ان سب کے دلائل کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے مباحث میں اپنے دلائل پیش کرتا اور پھر باہمی مشاورت سے متفقہ طور پر مطلوبہ شے کے تصور کی ان مراحل سے گذار کر ہی ان کے مکمل تجزیہ سے نتائج اخذ کر کے تکمیل کرتا۔

محترم عاطف طفیل صاحب کے بعد طویل عرصہ سے تحریک سے وابستہ ہمارے بزرگ محترم حنیف وجدانی صاحب نے ''تغیرِ نفس اور کلام اقبال'' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ ان کے منحنی خط وخال کے ساتھ کھنکتی آواز کا جادو جگانے کی دلفریب ادا نے محترم مرزا خلیل کی یاد تازہ کر دی، جن سے محترم پرویز صاحب کنونشن میں خطاب سے پہلے کلامِ اقبال کو سنانے کے لئے خاص طور پر ڈائس پر بلوایا کرتے تھے۔

اُن کے خطاب کے عنوان میں تغیرِ نفس کا مطلب تو ذات (خودی) میں تبدیلی لانا ہوتا ہے اور اس تبدیلی کے ضمن میں علامہ اقبال کا ہی یہ پیغام ہے کہ

تری دُعا سے قضاء تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے

اس دُعا کے توسط سے علامہ اقبال کا مدعا یہی ہے کہ تُو نہ صرف بدل جائے بلکہ اس تغیر میں احسن تبدیلی لانے کی خواہش کا موجب بنے۔ اس کے لئے علامہ اقبال ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اپنی آرزو کی تبدیلی کو اللہ کی رضا کے مطابقت کے رنگ میں ڈھال کر اپنے اندر تغیر پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

تری دُعا ہے کہ ہو آرزو تری پوری
مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے

یہی تاکید ہمیں قرآن کے حوالہ سے (76:30) میں یوں ملتی ہے کہ

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ

تم ویسا ہی چاہو جیسا قانونِ خداوندی کا منشاء ہے۔

یہی اور یہی تغیرِ نفس ہے جو علامہ اقبال کے کلام کا مقصودِ نظر ہے۔

وجدانی صاحب کے بعد مسکراتے ہوا ایک مانوس چہرہ جناب خالد فاروقی کی صورت میں نظر آیا۔ انہوں نے آغاز ہی میں اس طرح مزے لے کر ٹھیٹھ پنجابی زبان میں کلام پیش کیا جس کو سن کر سامعین مزے میں آ گئے اور بھرپور انداز سے داد دی۔ اس کے بعد انہوں نے کلامِ اقبال کے چند منتخب اشعار پیش کئے۔ ان کو شروع ہی سے ہم سبھی محترم پرویز صاحب کی فرمائش پر کنونشن میں بڑی مستعدی کے ساتھ موجود افراد کی فوٹو لیتے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔ آج وہ جس بے ساختہ انداز سے یہاں ڈائس پر آ کر کلام پیش کر رہے تھے تو زبان سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ

بڑی دیر کی مہربان آتے آتے۔

اُن کے بعد استادِ مکرم پروفیسر ڈاکٹر فرید الدین احمد اپنا خصوصی لکچر دینے ڈائس پر براجمان ہوئے۔ ان کو دیر سے بلانے کی بنا پر شکایت ہو رہی تھی کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے، ان کی دیر سے آمد کا فائدہ اٹھا کر پہلے آئے ہوئے مقررین کہہ گئے ہیں۔ اس معصوم سی تشویش کے اظہار پر ہم قدرے پریشانی محسوس کر رہے تھے کہ ان کا کلام کہیں مختصر نہ ہو جائے لیکن انہوں نے اس پوزیشن کے disadvantage باوجود اپنے مقررہ وقت سے بھی زائد وقت میں بڑی عمدگی سے اپنے میٹھے انداز میں حکمت کے موتی بکھیر کر سامعین کو محظوظ کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اپنے معین وقت سے زائد وقت لینے سے بھی ان کی تسلی نہیں ہو رہی، اسی لئے وہ اپنی تقریر کی ادائیگی کے بعد بھی ڈائس پر آتے جاتے اپنے خطاب میں اضافہ کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں زبان زدِ عام لفظ ''عشق'' کی حکمت بیان کرتے ہوئے اسے انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیا، جسے سن کر مجھے علامہ اقبال کا وہ واقعہ یاد آ گیا، جہاں ایک صاحب نے علامہ اقبال سے دریافت کیا کہ

علامہ صاحب! یہ بتائیں کہ آپ کے نزدیک عشق کی انتہا کیا ہے؟

علامہ اقبال نے جواب دیا: عشق لا انتہا ہوتا ہے، اس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔

اس پر انہی صاحب نے پھر پوچھا کہ آپ کے یہ کہنے کا پھر کیا مطلب ہے کہ

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں؟

علامہ اقبال نے جواب دیا کہ اس کا مطلب شعر کے دوسرے ہی مصرع میں پنہاں ہے کہ

میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں۔

قرآن سے تو ہمیں یہی ہدایات ملتی ہیں کہ اس مقصد کو صرف عشق کی حد تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس کے مقصود اور مطمحِ نظر کو زندگی کے ہر شعبہ پر مساوی طور پر وسعت دی جائے۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی (النجم:42)

بے شک صفاتِ خداوندی کی نمود ہی (علیٰ حدِ بشریت) انسانی زندگی کی انتہا ہے۔

اجلاس کے آخر میں ادارے کے وائس چیئر مین اور بزمِ امریکہ کے نمائندہ محترم حامد میاں صاحب ڈائس پر تشریف لائے اور ٹھیٹھ پنجابی زبان میں کلام سنا کر نہایت گرمجوشی سے خطاب کا آغاز کیا۔

اجلاس کے پہلے روز ادارے کی بزم چک جھمرہ کے ایک فعال نمائندہ پروفیسر اعجاز احمد جو فیصل آباد کے تعلیمی ادارہ سے منسلک ہیں ان کی طرف سے ایک اہم تجویز پیش کی گئی کہ ہمیں طلوع اسلام کے اراکین کی تعداد بڑھانے میں تساہل برتنے کا فوری طور پر احساس کرنا چاہیے اور تعداد کو بڑھانے کے ہر ممکن مواقعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیاسی جماعت سے بھی مدد لینے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

محترم حامد میاں نے ادارہ کے موقف کو بیان کرتے ہوئے محترم تجویز کنندہ کے تحفظات کو نہایت موثر انداز میں دور کرنے کی کوشش کی کہ ادارہ کو افراد کی تعداد میں کمی سے پریشانی کی ضرورت نہیں۔ ادارہ افراد کی تعداد کے اضافہ کے تناظر میں افراد کی کوالٹی پر مصالحت کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ مصلحت روا رکھ کر فوری طور پر تعداد میں اضافہ کا امکان تو ہے لیکن ادارہ کو بالآخر اس اضافہ کے فائدہ سے زیادہ نقصان ہوگا۔ اس تعداد پر مبنی اکثریت رکھنے کے نقصان رساں اثرات کے مرتب ہونے کی تائید قرآن سے بھی ہمیں یوں حاصل ہوتی ہے کہ

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ

اگر تم اکثریت کا اتباع شروع کردو تو یہ چیز تمہیں خدا کی راہ سے بہکا کر گمراہ کردے گی۔ اکثریت کا تو یہ عالم ہے کہ یہ محض ظن وتخمین کے پیچھے ہولیتے ہیں اور قیاس آرائیوں سے کام لیتے رہتے ہیں۔

اس لئے تعداد میں اکثریت کے حصول کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارے لئے حق پر ہونا ہی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ حق پر مشتمل اقلیت ہمیشہ اکثریت پر غالب رہتی ہے۔

آخر میں محترم ڈاکٹر فرید الدین احمد کی گونجدار تلقین کی پاسداری میں اپنے خطاب کو موت کی یاد سے منسلک رکھتے ہوئے اس حالت کی خواہش ودُعا سے ختم کرتا ہوں کہ

چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

جب موت آئے تو ان (مومنین) کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ان کے کانوں میں قرآن کی نوید سنائی جارہی ہوتی ہے کہ

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [16:32]

ان لوگوں (متقین) کی موت بھی نہایت خوشگوار ہوتی ہے۔ ملائکہ انہیں امن وسلامتی کی خوش خبریاں دیتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنے اعمال کے بدلے میں جنت میں رہو سہو۔

☆.....☆.....☆

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ [17:70]

ہم نے تمام انسانوں (مرد اور عورت دونوں) کو یکساں واجب التکریم پیدا کیا ہے۔

**2015ء عورتوں کا عالمی سال** (باغبان ایسوسی ایشن)

## Surah *Al-Naba* (النباء) – Durus-al-Qur'an Parah 30: Chapter 2

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends! Today is May 25, 1984 and today's lecture starts with verse 6 of Surah Al-Naba (النباء) (78:6).

### Gist of the previous lecture

My dear friends! I had mentioned in connection with "النباء" that the confrontation between Truth (*Haq* حق) and Falsehood (*Baatil* باطل) that had started with Prophet Noah (PBUH) entered its last phase during the period of Prophet Muhammad (PUBH). His entire 23 years of life as a Prophet was consumed in this struggle and it seems part 29 and 30 (جز 29 and 30) of the Quran are related to the last phase of this struggle. I had also mentioned that verses عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ (78:1) and عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيْمِ (78:2) point to the great news that a huge revolution will occur at the hands of the Prophet (PBUH) and his companions. Although I presented the details about it in the last lecture I will start today's lecture with the word "نبا".

### Meaning of word "نبا"(*Naba*)

My dear friends! The word "نبا" (*Naba*) needs some explanation. According to Arabic language it has two roots. As you know by now that foundation of Arabic language is built on word-roots just as a plant is built on its plant-roots. There are two roots of the word "نبا": ن - ب - آ and ن - ب - و. The root meaning of ن - ب - آ is news and the word "نبی" – meaning bearer of news – is derived from this same root. The high priest of a Jewish temple used to give news about future events and make prophecies about people's destiny. He was called "نبی" and thus the word "نبی" was translated as

prophet, i.e., one who makes prophecies. And the word "نبوّت" (*Nabuwwat*) started being translated as prophethood or prophecy.

The Quran has used the word "نبی" (*Nabi*) with its second root ن - ب - و. According to this root the meaning of "نبی" is one who stands on an elevated place. From this one can understand the meaning of the word "نبوّت" (*Nabuwwat*) and "نبی" (*Nabi*) which means: One who stands elevated, one who occupies an elevated position in the society compared to others. This was practically demonstrated by Prophet Muhammad (PBUH) when he explained his very first message to the Quresh. He stood on top of a hill and called the Quresh. Since he was known as the trustworthy (امین *Amin*) Quresh came running towards him to find out what he had to say. He said to Quresh: If I tell you that a large army is coming to attack and destroy you, would you believe me? They said: Yes! We will believe you because we know you are truthful and trustworthy. And also because you can see both sides of the hill from your vantage position whereas we can see only one side and not the other side. You can see how his action explains this very important point. My dear friends! This is the position of "نبی" (*Nabi*): He stands on a high place from where he is in touch with the upper world – that is the world of Allah's directive forces, the world of Amr (امر) – from where he receives revelation and then conveys it to the world of *Khalq* (خلق), the created world, our human world down. *Nabi Akram* (نبی اکرم), the most revered, thus explained the position of Allah's messenger in his very first message. He did not make prophecies. It is our misfortune that this exalted position has been (mis)translated as Prophet and *Nabi Akram* (نبی اکرم) has been called Prophet Muhammad which you will hear on everyone's lips (and here too as this has now become synonymous with *Nabi Akram* نبی اکرم). No one thinks which Arabic word the English word "Prophet" is translation of? By doing this we are in fact translating

the Jews' *Nabi* (نبی), not the Quran's Nabi (نبی) which is quite different. For this reason I named my book about on the life of *Nabi Akram* (نبی اکرم) "The Pinnacle of Humanity", the highest position in humanity that he indeed occupies. This is what I could do best. Otherwise, the position of *Nabi Akram* (نبی اکرم) is much more exalted than this. Anyway, please understand that the word "*Nabi* (نبی)" in the Quran does not mean "Prophet" and he doesn't make prophesies but one who stands on the highest pinnacle of humanity. Otherwise, it was this prophecy that made Mirza Ghulam Ahmad (1835-1908) a "*Nabi* (نبی)". He laid the entire basis of his "نبوّت" (*Nabuwwat*) on prophecies and claimed openly that my prophecies came true, although these prophecies were of such type as earthquake will happen, that flood will come, that storm will arrive.

**Reality behind prophecies**

The miracles of our great Sufis (aka اولیاء ـرام or revered saints) are all based on making prophecies about people's kismet and telling things about the unseen. But prophecy as a tradition has come down to us from the Jewish tradition of priesthood's position in their temples. There is no question of prophecy in Islam. If it is something about future that cannot be obtained through human knowledge then it is knowledge of the *Ghaib* (غیب) or the Unseen which no one (*Nabi Akram* نـــی اکرم included) except Allah has. Anyway, this was the عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ (78:2).

My dear friends! As mentioned the root meaning of آ - ب - ن is news, great revolutionary news. Our discussion continues regarding the confrontation that had been going on and was entering its last phase. When the Quran makes a claim that a wrong system of life will produce bad consequences then it really means that it will happen according to law – the law of requital. The entire system runs on the basis of

law; and the law is: what you sow is what you reap; whatever the type of action similar will be the type of result; whatever type of life system similar will be the type of society. This is the principles that the Quran enunciates. Please remember! From the beginning to the end this is what the Quran keeps on repeating. Its reasoning and proof, its explanation and literary style may be different in different situations – but at its heart the central point is always this: every action produces its result. What happens in life is that most of the time the results do not appear in this world, and this produces a false sense of belief that this law does not work. To counter this, the Quran says that human life is not only the life of this world; that life continues and moves on after death carrying the baggage of all its actions; that life is composed of the very actions performed in this world and will manifest itself in the afterlife in the Hereafter. This is the essence of Quran's teachings. So, in the very first verse of this chapter, عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ (78:1), the Quran says that doubt has taken over Quresh and they have started questioning themselves.

**Importance of suggestiveness**

I had pointed out in the last lecture that suggestiveness, a literary tool, is very powerful in conveying a message without explicitly mentioning it. This is used quite effectively more so in poetry than in prose. The idea is to convey a message implicitly by giving some subtle hints and leaving the reader to figure out the actual message on his own. This style is very attractive and appealing to the conscious mind. The style of the Quran is unique and unparalleled also in this respect. The verse عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ (78:1) is an example of this style and is very beautiful: what it is that they are asking about? The Quran wants to say that these Quresh are doubtful about their mission to crush the Messenger (PBUH) and his companions of which they were so certain in the beginning; they were so boastful of their tribal strength and power; and they were

so determined and united in their mission like a solid rock. The Quran is saying that after suffering defeat after defeat in this long confrontation and battle the Quresh have started doubting themselves and questioning the integrity of their mission. And not just that they started doubting their mission but that differences have started among them as well: هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ (78:3). The Quran essentially wants to convey this message: if a situation arises that a people start doubting and questioning their mission and start arguing and differing then understand that their defeat is certain. Did you notice how great is this principle that the Quran wants to convey using suggestiveness and leaves it to the reader to come to this conclusion himself?

**The Day of Judgment and its arrival time**

My dear friends! Our concept of the Day of Judgment or Al-Qiyamah (القيامة) is that mountains will be crushed, that the Earth will be rent asunder, that planets will collide and disintegrate. It is okay that one day this will happen. But the Quran is not talking about that Day of Judgment or that Al-Qiyamah (القيامة) because it says: كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (78:4) – Verily, they shall soon (come to) know! [Yusuf Ali]. And it is repeated with such a force and certainty: كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ; ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (78:4-5) – Verily, they shall soon (come to) know! Verily, verily they shall soon (come to) know! [Yusuf Ali].

But, as for that Day of Judgment or Al-Qiyamah (القيامة) where the world will physically end the Christian's priests went so far as to give actual dates: first it was 1740 and didn't materialize; then a German priest recalculated and said it would happen in 1836. When 1836 started approaching people left their cities and went to the jungles as if that Al-Qiyamah (القيامة) will come in cities, not in jungles. Throughout Europe there was chaos and 1836 came and went but nothing happened. Then other priests came to tell that there was a mistake in the calculation; that it will

come 1843 and nothing happened even. Then they said it will come in 1847 and again nothing happened. Then they said it will come in 1986 and again nothing happened but how could they accept that the first one had made it up. They continued this but after a while they gave up and no one tried to predict any dates again. When we were children I still remember similar prediction used be made by the great Mufti of Ka'aba and big posters used to be posted all around about how the Al-Qiyamah (القيامة) is going to come and that everything will be destroyed. At the bottom of the posters it used to be written that that it was based on a dream of someone named Ahmad whom the Prophet (PBUH) told that tell my Ummah to pray and fast so that this Al-Qiyamah (القيامة) and the end of the world could be postponed for some other time. After a while this also fizzled out.

My dear friends! There are books on the signs of Al-Qiyamah (القيامة) written by Muslim scholars. But they did not pay attention to the Quran which says: عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ (78:2) – the great news, the news about the confrontation between Truth (*Haq* حق) and Falsehood (*Baatil* باطل). And then it says to Quresh that they will soon know it: كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (78:4) – Verily, they shall soon (come to) know! [Yusuf Ali]. This the Quran said to Quresh 1400 years ago and we are still searching for signs of Al-Qiyamah (القيامة) that is going to come! Anyway, this was that great news, that great revolution that occurred at the hands of the Prophet (PBUH) and his companions 1400 years ago. After this the Quran again returns to the same style of suggestiveness. The external Universe works on the basis of laws and that is why the Quran presents it as evidence in support of its argument. Also, as further evidence in support of its argument, it presents the histories of past nations. It says: كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ; ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (78:4-5) – Verily, they shall soon (come to) know! Verily, verily they shall soon (come to) know![Yusuf Ali]. To understand the revolution that was going to come

soon the Quran directs the attention to external Universe. It says do you ponder how beautifully our laws are working in the external Universe? First ponder on the Earth on which you live: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (78:6) – HAVE WE NOT made the earth a resting-place for you [Asad]. Ponder on the soundness and effectiveness of Our laws. Ponder on the fact that although the Earth is round and is moving very fast it is a resting place for you; and you do not even notice it!

**Revealing Quranic realities centuries ago**

It was impossible to say about Earth's rotation and its movement 1400 years ago anywhere in the world let alone in Mecca which was steeped in ignorance and superstition. There are three or four verses dealing with Earth's movement. One is: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (31:10) – He created the heavens without any pillars that ye can see; He set on the earth mountains standing firm, lest it should shake with you [Yusuf Ali]. "تَمِيدَ بِكُمْ" means that it is moving and taking you along with it. We are on the surface of this large round object spinning on its axis and moving fast in space at the same time, and we don't even notice it? Our common experience is that if we try to do the same on any round object we will feel giddy and collapse even at much less speed. But on the Earth we feel relaxed and rested: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (78:6) – HAVE WE NOT made the earth a resting-place. Who is saying this more 1400 years ago? A person who was illiterate before he became a Messenger and Prophet (29:48)! The fact of Earth being a resting place while being in motion has been repeated at several places in the Quran. Humans are resting on it peacefully just like a baby who sleeps comfortably and peacefully inside the baby swing while it is in motion. The Earth provides for human beings a similar comfort and peace to sleep at night comfortably and to rejuvenate their energy while all the while moving at a high speed with the Earth.

My dear friends! After calling the Earth "مِهَادً" – resting place – the Quran immediately follows with: وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (78:7) – and the mountains [its] pegs [Asad]. We have not paid much attention as to the role of mountains on the state of dynamic stability of the Earth but Western geologists have started doing research on this topic. Whenever the Quran talks about Earth's movement it mentions mountains and the important role they play in its stability and balance. Only scientific research can reveal concrete details of this role.

**Fatwa of Medina's university's Chancellor regarding the shape of Earth**

But our scientific research has been next to nothing in this area, or for that matter in science as a whole. Few years ago the Chancellor of Medina University Bin Baz gave a fatwa that if anyone believes that Earth is round and is moving, then: first, his wife is considered divorced; and, second, he becomes مرتد (*Murtad*), i.e., he has become infidel. This is coming from the center of Islamic knowledge, my friends! According to him, nothing remains of one's marriage if one believes that the Earth is round and moving. On top of being a مرتد (*Murtad*), the punishment for him, according to Sharia, is death. Leave us aside, because we are still leaving in dark ages. The Western scientists have also not done much research into this aspect of geology: of what role the mountains play in Earth's stability and balance.

**Every Quranic claim *will* turn out to be true**

My dear friends! The Quran has unequivocally stated: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (41:53) – We shall show them Our portents on the horizons and within themselves until it will be manifest unto them that it is the Truth. [Pickthall]. Every curtain that lifts either in the outer world or within the human world will become the evidence of the Quranic truth. The Quran provides the objective test from

these two sources to prove that whatever it claims *will* turn out to be true once the curtain lifts from them. Time will prove what the Quran says about the role of mountains: to stabilize the Earth while it is moving so fast. Anyway, let us move on. As it is, this is not our field of specialization.

**Our thinking about women's creation and their rights**

My dear friends! The next verse is: وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا (78:8) – And We have created you in pairs [Asad]. There are just two words in this verse. Now, coming to its meaning – please forget what happened in the past. In this modern age the issue of women's rights has intensified greatly. There are debates, seminars, workshops, conferences, and women's studies all around the globe. Laws are being formulated. But Muslims believe that women's evidence in court is not acceptable. We are focusing on rights but in Muslim countries – it is as if what to say of mouth, her head has disappeared from their bodies. They are not even humans. Her value is half compared to men when it comes to compensation for life. Women come to me about this inherent injustice to women in society. I tell them please ask the enforcers of Sharia point blank about the UNO's Universal Declaration of Human Rights of which our government is a signatory: Do you think in this word "human" mentioned in this declaration, are women included or not? I tell these women who come to me: You are unnecessarily taking out processions in protest of Sharia laws. If you are not getting your rights then, instead of approaching these Sharia people, please raise this issue with the UNO: that our government –which has signed the Universal Declaration of Human Rights – is actually in violation of these rights. UNO cannot dismiss accepting women as human beings. The determination of these rights was not done by our Sharia courts but by UNO and our government signed it. So, our government is bound by it. So, please listen! First, as women there are human rights for you; and,

second, as wife there are spousal rights for you. In Islam marriage is a contract. Whatever conditions you want you can get that written down in your marriage contract. For this, there is no need of demonstration, no need of taking out processions. The Quran here in verse (78:8) says: وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا – And We have created you in pairs. The word "اَزْوَاجًا" (*Azwanjan*) is in fact the plural of the word "زَوْجٌ" (*Zauj*). First notice that here خَلَقْنٰكُمْ (*Khalaqnaakum*) has come, where كُمْ (*Kum*) means all of you, i.e., the entire humankind.

**The word "زَوْجٌ" (*Zauj*) implies both men and women**

My dear friends! In our culture "زَوْجٌ" (*Zauj*) is only used for women but in Arabic language it means a pair where one remains incomplete without the other. The two wheels of a cart are called "زَوْجٌ" (*Zauj*) of each other. That is, Allah created you all كُمْ (*Kum*) in pairs such that one is incomplete without the other. The wheels of a cart have to be equal and similar (in radius) in order for the cart to move properly. If one wheel is round and the other square then it wouldn't move. Since *our* pair of wheels is not equal and symmetrical our entire society's train is at standstill.

**Without proper understanding of "زَوْجٌ" (*Zauj*) our society will remain non-Quranic**

My dear friends! Don't ask what our society has done to women? This is not done to women but, in fact, it is done to Allah's creation. It is as if our society challenges Allah: You can make men and women "زَوْجٌ"(Zauj) but we won't! Ok! Don't. Nothing will happen to Allah but you will see what happens to your society. But this simple little كُمْ (*Kum*) has solved all the problems. The Quran has its own unique style. Determining separate rights for men and women is out of the question according to the Quran. If you do not want to give equal rights to women then don't: Your train of

humanity won't move. Did you notice how the Quran solves such big issue in just one word "أَزْوَاجًا" (*Azwanjan*)? And if in a society, or in a system, or in a constitution, both men and women are not "زَوْجٌ"(Zauj) then that society is against the Quran; then that society is against the will of Allah; and that society is against His creation. The punishment and suffering of nations just does not happen without any reason. These things happen by challenging Allah. My dear friends! These are not problems. These are basic realities of life; these are the basic rights of life irrespective of sex or gender. وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا (*Wa Khalaqnaakum Azwaajan*) – is a foundation of life. To go against it is to challenge Allah. If we do, nothing happens to Allah. It is our own loss and the results prove it.

**The importance of night**

My dear friends! After calling the Earth "مِهَادًا" – resting place – Allah further says: وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (78:9) – And made your sleep for rest; وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا (78:10); And made the night as a covering; وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (78:11); And made the day as a means of subsistence [Yusuf Ali]. When night comes then darkness puts a type of curtain on it. Good sleep occurs when there is darkness which acts as a curtain for light. Allah's creation provides this darkness on Earth for people to have good sleep. سُبَاتًا means that not only you sleep but also that your energy comes back which is lost in the day due to work. If one does not get good sleep then one feels tired in the day.

What does the sleep do that one feels tired if one does not have good sleep? – The energy (both mental and physical) spent while working during the day comes back during sound sleep and one feels refreshed in the morning; and he is ready once again for the day's work. Do you see the beautiful harmony and order within these verses? – Sleep vs. Rest; Night vs. Cover; and Day vs., Livelihood. All this happens

according to unchangeable laws – the laws that hold all the celestial objects under their grip. After this the Quran says: وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (78:12) – And we built in the outer Universe many heavenly objects and planets. Their operating system is such that everything happens precisely; the alternation of day and night on planets; the solar system and stars and galaxies function precisely subject to Our laws. Such are these laws that one can precisely calculate timings of sunrise and sunset for all times and for all places. Sunrise and sunset always happen exactly as calculated, never late or early unlike human systems where nothing happens on time. When questioned about it – the reply is: Well! things went out of control; so, what we can do. Don't ask what would happen if the sun and the moon were under human control? Now the Quran says: وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (78:13) – and we have placed [therein the sun,] a lamp full of blazing splendor [Asad]. وَّأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا (78:14) – And from the wind-driven clouds We send down waters pouring in abundance. My dear friends! We read these verses and maybe their translation, and then we move on. We do not think how intimately connected these things are to life and its sustenance!

**Meaning of Sun being Khazeena – خزینہ and meaning of عصر**

Ask scientists how deep the connection of light and heat with life is. I remember a textbook that we used to study in grade 4 or 5 where the relationship of life with light and also with heat was given. It is a simple matter to see how important these are to plants.

My dear friends! Both light and heat are essential for life and its sustenance. We get both from the Sun. the Sun rises and sets at precise times. What evidence does it provide about the law that governs it? Is there any chance of chaos and corruption in this system? Is there a chance that someone can rig its system? No, not all. There are other words for clouds in Arabic but saying them المُعْصِرَاتِ in verse (78:14) brings

into focus the entire water cycle and Allah's global system of waterworks. Its root is: ع-ص-ر which means to extract useful elements from something and leaving behind useless things and discarding them. Saying clouds as المُعْصِرَاتِ 1400 years ago is worth pondering – clouds which are composed of pure distilled water extracted from the oceans leaving behind toxins and other elements. And this global distillation process is done by the Sun's heat. If one drinks ocean water one may die. One cannot also filter the ocean water for drinking purposes because filtration may remove dirt and other solid particles but it does not remove harmful chemicals that are dissolved in the ocean water.

My dear friends! Do you see how the Sun plays a critical role in providing us clear sweet drinking water from the oceans which rises above in the form of clouds which the Quran calls المُعْصِرَاتِ. There are other words in Arabic for clouds but calling them المُعْصِرَاتِ has all the meaning associated with the distillation process embedded in this one word. What a miracle of Arabic language which conveys so much information in just one word? No wonder Allah choose this language to convey His final message, the Quran, to humanity. No other language would have been fit for this final message that contains so much information in single words. And these clouds carry this distilled water where it is needed and then falls down in the form of rain – مَاء ثَجَّاجًا. And then the Quran says: لِّنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَّنَبَاتًا ; وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (78:15-16) – so that We might bring forth thereby grain, herbs and vegetables; and (fruit-laden) gardens dense with foliage. We observe that all these different kinds of fruits and vegetables growing from the same water. Do you see that there is a system at work behind all of this? The Quran says that there is a law at work in the outer Universe; so are you outside this that you are exempt from this law? After providing all this as a backdrop the Quran then came to its main point: اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا (78:17) – VERILY, the Day

of Distinction [between the true and the false] has indeed its appointed time. All this you have been told because this is يَوْمَ الفصْل – the Day of Distinction.

My dear friends! What a beautiful way to explain this? – Fruits and vegetables, gardens dense with foliage, farming and grains. We use the word فصل (*Fasl*) in our language for harvest. But in Arabic it means: to separate things clearly. This means the results get completely separated from the actions. The Quran then asks: After all this – process and action – what result do you derive?

**What is Day of Distinction (يَوْمَ الفصْل *Yaumul Fasl*)?**

The Quran has said that after sowing the seeds (of action) the Day of Harvest (appearance of result) is a time appointed – كَانَ مِيقَاتًا – that is, time of appearance of result is determined according to law. Farmers know this very well – between sowing of seeds and harvest there is an appointed time (كَانَ مِيقَاتًا). In old days climate change used to follow a predictable pattern (according to natural law) and a farmer could forecast the weather pretty much by looking at the sky and based on his experience of different seasons. But, now, with large scale human interference leading to climate change, even the seasons are getting unpredictable. But the appointed day for the appearance of result of human action happens according to law (of requital) – إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا (78:17). This was the reply to Quresh's questions: why the destruction is not coming soon about which you (PBUH) are warning us? Why it is taking too long? What is the reason for this delay? Then the Quran says: يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا (78:18) – A day when the trumpet is blown, and ye come in multitudes [Pickthall].

**Why this period of respite? And the meaning of blowing the trumpet**

Allah says that We do not change this period of respite despite your taunts and

objections and calling for hurry. It is not that We get upset and become angry because of your daily taunts and display of extreme hubris; and thus hasten your destruction. The period of respite is embedded in the law of requital, and We do not change Our laws. This is very important aspect of the law. It tested the patience of the messenger who was being subjected to all these taunts and hubris from the Quresh. But He is Allah of laws, not subject to emotion. He does not get angry or happy. He says in the Quran to the Prophet (PBUH): وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ (78:10) – and endure with patience whatever people may say [against thee][Asad]. He says that the Day of Distinction (يَوْمُ الفصل *Yaumul Fasl*) is, in one word, مِيقَاتً (*Miqaat*); that it is based on law and – although We being Almighty and creator of everything and every law– even We do not violate Our laws. And whichever nation implements a system and authority in the name of Allah will have to reflect this attribute of Allah – i.e., it must not violate His laws. These laws are eternal and unchangeable and are determined by Allah – إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا – VERILY, the Day of Distinction [between the true and the false] has indeed its appointed time (78:17).

And when that Day arrives what will happen? The Quran says: يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا (78:18) – A day when the trumpet is blown, and ye come in multitudes [Pickthall]. The words يُنفخُ فِي الصُّور has come in the Quran at other places which means (literally) "When the trumpet is blown". In olden days bugle or trumpet was blown during battles as there were no loudspeakers then. So, to amplify the sound bugle or trumpet was used. Still they are used but more as a symbol. The traditional interpretation of this is: An angel will blow the trumpet on the Day of Judgment in the Hereafter, and all the dead will rise from their graves and gather together. We all have to believe in the Hereafter my friends, but it is beyond our conscious mind to understand its reality. That is why the Quran explains it by examples. The Day of Distinction (يَوْمَ

الفصل *Yaumul Fasl*) is not just related to the life of the Hereafter but it is also related to the life of this world. Allah wants us to believe in these things because they affect our individual life; they affect our collective life; they affect our universal humanity. If this was not the case and the results were to come only in the Hereafter then what is the benefit of that for us here, in this world?

My dear friends! You know the word "صورت" (*Surat*) which means form or shape. Its plural is "صور". It is mentioned in this verse (78:18) that those human forms which had been deprived of energy and had become weak and fragile – they will be replenished and refreshed by blowing fresh energy into them. The impending revolution would inject fresh energy into them – the oppressed and downtrodden people of the society.

My dear friends! This is the meaning I take of these verses. And the next Surah (Chapter) will reinforce this meaning. But the nation which will be infused with new energy by this revolution would not use its success and authority for its own benefit which is normally the case with any nation. I will present the details of this when we get there. But I will provide an example here as an illustration. You know that there is always a tussle between Sufis (proponents of Muslim mysticism) and Mullahs (proponents of Sharia). Sufis say that Mullahs jump in the river and swim to get to the other shore but we jump in the river to save the drowning ones and bring them to the shore. This is very appealing to people, especially children.

**Fruits of Quranic thinking**

My dear friends! We were talking about success and authority. The Quran says that this victory and authority is not meant for its own sake but to help those get to the shore who are drowning in a world of injustice, oppression, and exploitation. The

authority bestowed by the Quranic revolution will be used to infuse new energy in those nations which have been trampled and crushed; those that have been weakened and marginalized; those whose blood has been sucked out from their bodies; those which has been tortured and persecuted. And: فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا (78:18) – they will come in multitudes. Those who could not walk would come running in droves to this new Quranic system: يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (110:2) – And you do see troops and troops of people enter Allah's *Deen* (the system of life based on Quranic laws). This will be the result of gaining authority: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (110:1) – When comes the Help of Allah, and Victory.

**The proper method of pondering in the Quran**

My dear friends! To grasp how the current topic in a verse fits in within the current context and how it is supported by references to other verses on the same topic and therefore to find out which meaning out of the many meanings of a word is the most appropriate in this context – *this* is تدبّر فی القرآن (tadabbur-fil-Quran) pondering in the Quran. Now take for example this verse – فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا (78:18) – where the mind turns towards the fact that these are the people who were made weak and helpless and could not walk but, now, they will be given a shot of new energy that will make them rush in multitude. What would happen then? – وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (78:19) – And the heavens shall be opened as if there were doors. Today we know that the doors of heavens have been opened on the moon and Mars. This is one meaning (literal). The other meaning of السّمَاء which is metaphorical could be that those big and powerful leaders who think they are on the skies – their doors of will be opened up and they will be crushed. وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (78:20) –And the mountains shall vanish, as if they were a mirage [Yusuf Ali]. Let me remind you once again that big and powerful leaders are called جبَالٌ (Jibal) in Arabic who think no one can shake them, that no can

touch them. The Quran is saying that they *will* be shaken from their place and they will be crushed and they *will* become like particles of sand and vanish in thin air – and they will become like a mirage. What to say of سَرَابٌ (mirage) – a very beautiful metaphor for describing the fate of these powerful leaders.

You know that سَرَابٌ (mirage) is a total deception. If you are traveling on a road during extreme heat you see as if water is shining in a distance. But it is a visual deception which is very common in desert areas and poses a real challenge to travelers in search of water. It becomes a life and death issue in deserts. A thing that deceives like this and in reality it is a desert but to travelers it gives the impression that it is water – is called سَرَابٌ (mirage). This is a beautiful Quranic metaphor to describe the fate of the big leaders that they will vanish as if they were mirage – they will turn into an ocean of deception. They will be shaken from their places and will become visual illusion. This is because – إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (78:21) – Lo! Hell lurketh in ambush [Pickthall]. What a way to describe this!

**Hell (جَهَنَّم) is watching all the time**

My dear friends! Here verse (78:21) says that Hell is watching these people and waylays those who thought they were untouchable before this Day – يَوْمَ الْفَصْلِ – the Day of Distinction. The Hell of the Hereafter will happen there no doubt; but, as it is, it is watching and waylaying these evil people here. And we know that Hell (جَهَنَّم) means the place where humanity is burnt. There was deity in a valley called Jahannam (جَهَنَّم) where live human beings were burnt and sacrificed to honor it. Every society where the humanity of human beings is burnt and sacrificed is in fact Hell (جَهَنَّم). And it is done in a way that it becomes Jaheem (جَحِيم), humanity gets stuck in the spit of Hell and is not able to move. Regarding our concept that Hell (جَهَنَّم) l

come only after death – let me mention once again that wonderful couplet that we saw in the last lecture:

*He is giving long sermon about accountability and balance of the hereafter's Hell;*

*But how very sad! That the preacher does not see, here and now, the existing Hell!*

Our eyes do not see the current Hell in which we are living. But: وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ (29:54) – Hell is surrounding those who deny the law of requital from all sides. وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ (82:16) – and which they shall not [be able to] evade [Asad]. That is, they are not seeing the Hell but the Hell is seeing them. Do you see where the Hell, according to the Quran is? – Well! It right around us; it surrounding us. Does this cause to bother us enough that we shudder? وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (79:36) – and the blazing fire [of hell] will be led open before all who [are destined to] see it. Jaheem (جَحِيم) is present even today but it is in a latent or hidden form but will become transparent to those who are able to see it through their mind's eye; those who have developed their visionary power of their minds enough. This is the Hell (جَهَنَّم) about which the Quran says: اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ; لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا (78:21-22) – [On that Day,] verily, hell will lie in wait [for those who deny the truth] – a goal for all who are wont to transgress the bounds of what is right.

My dear friends! The time is up for today's lecture. We have covered up to verse 22 of Surah *Al-Naba* (النباء). We will start from verse 23 in our next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

*O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)*

☆.....☆.....☆

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.68
ISSUE
1

Monthly
# TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666 , 042-35764484
E-mail:idara@toluislam.com
web:www.toluislam.com

لَوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب!
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرّہ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب!

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب!

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب!

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو! عشق حضور و اضطراب!

علامہ اقبالؒ